

فکرِ مطمئنّہ

شاعر اہلبیت علامہ نجم آفندی
کے سلاموں کا مجموعہ

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر سید تقی عابدی

فکرِ مطمئنّہ

شاعرِ اہلبیتؑ (علاّمہ نجم آفندی کے سلاموں کا مجموعہ)

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ

ضابطہ

کتاب	فکرِ مطمئنہ
تحقیق وتدوین اور تنقید	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
سنہ اشاعت	2007ء
تعداد	1000
کمپوزنگ	مصباح آرکیڈ A-703 ملیر کراچی
تزئین	الکتاب گرافکس۔ملتان، (پاکستان)
ایڈیشن	اوّل
باہتمام	شاکر حسین شاکر،
ناشر	کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ (پاکستان)
	فون: 92-61-4510444
قیمت	-/150 روپے

رَو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سیّد تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقی
والد کا نام	:	سیّد سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائٹیڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کنیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کنیڈا
شریکِ حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (1982ء) جوشِ مودّت۔ گلشنِ رویا۔ اقبال کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاء۔ رموزِ شاعری۔ اظہارِ حق۔ مجتہد نظم مرزا دبیر۔ طالع مہر۔ سلکِ سلام دبیر۔ تجزیہ یادگارِ انیس۔ ابوابُ المصائب۔ ذکرِ دُرباران۔ عروسِ سخن۔ مصحفِ فارسی دبیر۔ مثنویاتِ دبیر۔ کائناتِ نجم۔ روپ کنوار کماری۔ دُربارِ رسالت۔ فکرِ مطمئنہ۔ خوشۂ انجم۔ دُرِ دریائے نجف۔ تاثیرِ ماتم۔ جگمی مایا (اردو+ہندی)۔ روشِ انقلاب۔ مصحفِ تغزل۔ ہوالنجم۔ ادبی معجزہ (حضرت علیؑ کا خطبۂ بے الف کا ترجمہ)۔
زیرِ تالیف	:	تجزیہ شکوہ جواب شکوہ۔ رباعیاتِ دبیر۔ فانی شناسی۔ مصحفِ تاریخ گوئی۔ تعشق لکھنوی۔ غالب عاشقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

دردِ دل

کس کس سے سوال کروں؟

علامہ نجم آفندی نے کہا تھا:

میں خود ہوں مطمئن اے نجم ادب کی خدمت سے
جگہ نہ دے کہیں تاریخِ روزگار مجھے

(1) اردو کے مشاہیر شعرائے غزل نے نجم کی قدردانی کیوں نہ کی؟ (195) عمدہ اوراعلیٰ ترین غزلوں کو کیوں نظرانداز کیا گیا؟ کیا 195ء کا آل انڈیا مشاعرہ یادنہیں جس میں نجم نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا؟

(2) اردو کے ترقی پسند تحریک کے نمائندوں نے کیوں نجم کو نظرانداز کیا؟ اردو ادب میں کسان، مزدور، مزدوری اور سرمایہ داروں کے خلاف نظموں میں پہلی آواز علامہ اقبالؔ اور جوشؔ سے قبل نجم کے سوا کس نے بلند کی؟ اگر بقول سلیمانؔ ندوی، حسرتؔ موہانی اسلامی اور سوشلسٹ رجحان رکھ کر بیسویں صدی کے ابوذر غفاری ہوسکتے ہیں اور تحریک کے بھی پسندیدہ شاعر رہ سکتے ہیں تو نجم کی مسلمانی کیوں برداشت نہ ہوئی؟

③ نعت کے پرستاروں نے صدہا نعتیہ آبدار اشعار اور سولہ سے زیادہ نعتوں کو کیوں طاقِ نسیاں کے سپرد کیا؟

کیا تجمؔ کے اس شعر میں کسی کو شک ہوسکتا ہے؟

اے تجمؔ میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ
کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

④ کیوں افسانہ نویسوں نے عمدہ افسانہ ''چور ماموں'' نہیں پڑھا؟ کیوں ناول نگاروں نے تخلیقی شاہکار ناول ''بندۂ خدا'' کو فراموش کیا؟

شریک حال نہ ہوتی جو تجمؔ خودداری
ہمارے غم کا فسانہ غمِ جہاں ہوتا

⑤ اردو میں کتنے شاعر ہیں جنھوں نے تجمؔ کی طرح چھ سو سے زیادہ عمدہ رباعیاں لکھیں؟ کیوں اردو رباعیات لکھنؤ کے پی ایچ ڈی (Ph.d) کے مقالے میں تجمؔ کا نام تک نہیں؟ جبکہ پانچ اور دس رباعی کہنے والے افراد کا ذکر آب وتاب کے ساتھ ہے۔ کیا اس قسم کے مقالوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

⑥ شاعرِ اہلِ بیتؑ کا خطاب دے کر محبّانِ اہلِ بیتؑ کیوں تجمؔ سے غافل ہوگئے؟ مولویوں، خطیبوں نے منبر سے کیوں ان کا پیغام نہیں پہنچایا؟ سلاموں، نوحوں، مرثیوں کو لے کر دوسرے انتقادی کلام کو کیوں تلف کردیا؟ کراچی میں اتنے بڑے شاعر کے جنازے میں کیوں صرف بیس (20) پچیس (25) افراد شریک ہوئے؟

⑦ کیوں تجمؔ کے کلام کو محبّانِ اہلِ بیتؑ، گروہانِ نوحہ خوان، پرستارانِ تجمؔ، شاگردانِ رشید، عزیز و اقربا نے انتقال کے تیس (30) برسوں میں بھی شائع نہیں کیا؟ اگرچہ تجمؔ نے کہا تھا:

ہم تجمؔ چار روز کے مہمان ہیں مگر
رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات

(8) اردو ادیبوں اور تنقید نگاروں نے اس بیسویں صدی کے عظیم شاعر سے کیوں غفلت برتی؟ نجمؔ کے (12799) اشعار، (195) غزلیں، (591) رباعیات، (498) قطعات، (16) نعتیں، (81) قصائد، (107) سلام، (144) نوحے، (83) متفرقات کے علاوہ (3) مرثیے، (18) ہندی کلام کے آثار اور کئی نثری کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں:

آج اردوے معلی کی اشاعت کے لئے
یہ غنیمت ہے کہ نجمؔ نکتہ داں باقی رہا

میں نے حقیقت کو پیش کیا ہے:

نجمؔ بہتر ہے تصنّع کی دلآویزی سے
تلخ لہجہ میں حقیقت کا بیاں ہوجانا

(9) کانگریس، مسلم لیگ اور دوسرے قومی سیاسی عہدے داروں نے ایسے وطن دوست شاعر کو وطن کی محبت میں کیا دیا؟ جبکہ

ع : منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

کائناتِ نجمؔ ان تمام سوالوں کا جواب رکھتی ہے۔ صرف گردشِ اوراق شرط ہے۔ شاید یہ میری نجمی عقیدت اور اُردو محبت ہو۔ یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا جس کے فیض سے میں کائناتِ نجمؔ کو دریافت کرسکا:

یہ بھی اک حادثہ اُردو کی محبت کا ہے نجمؔ
کنجِ عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

خیر اندیش

سیّد تقی عابدی



مرزا تجمل حسین نجم آفندی

ولادت: 1890 وفات: 1975

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

نجمؔ آفندی کا زندگی نامہ

نام	مرزا تجمل حسین
تخلص	نجمؔ۔ نجمی
شہرت	نجمؔ آفندی
گھریلو نام	نادر مرزا

تاریخ ولادت: رمضان 1310 ہجری مطابق 1890ء

مقامِ ولادت: اکبرآباد (آگرہ) کٹرہ حاجی حسن جو پیپل منڈی کے پیچھے واقع ہے۔

والد — مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی۔ معروف شاعر اپنے سگے ماموں سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی متوفی 1880ء کے شاگرد رہے۔ ان کی پیدائش 1860ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں ہوئی۔ شادی آغا حسین صاحب صاحب دیوان شاعر کی بیٹی سے ہوئی۔ دوسری شادی ایک انگریز خاتون سے ہوئی۔ آپ بزمؔ تخلص کرتے تھے۔ معروف غزل گو اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ بزمؔ آفندی کا انتقال 23 مارچ 1953ء کو ہوا۔

دادا — مرزا عباس بلیغؔ جو مرزا نجف علی بلیغؔ کے فرزند تھے جو مرزا فصیحؔ مشہور مرثیہ گو شاعر کے حقیقی بھائی تھے۔ اسی لیے تو نجمؔ آفندی نے مرزا فصیحؔ کی میراث پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

نجمؔ میں ہوں خاک پائے مسند آرائے فصیحؔ
مدح کی دولت ملی ہے ورثۂ اجداد سے

پرداادا: مرزا ہادی علی فیض آبادی۔ مرزا ہادی علی کے تین فرزند تھے۔ (1) مرزا جعفر علی فصیح (2) مرزا نجف علی بلیغ (3) مرزا فتیح۔ ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم لکھتے ہیں۔ ''نجم آفندی کے پردادا ہادی علی فیض آبادی حضرت عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام کی نسل سے تھے لیکن جب ان کے بزرگ بلادِ ایران میں رہنے لگے تو وہاں ''مرزا'' مشہور ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں آمد کے بعد ان کے بزرگ شاہجہاں آباد (دہلی) میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

معز الدین قادری اسرار و افکار میں لکھتے ہیں۔ نجم آفندی کے پردادا مرزا ہادی علی فیض آباد کے محلّہ ''مغل پورہ'' میں رہتے تھے چنانچہ نجم آفندی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مرے بزرگوں کا اصلی وطن ہے فیض آباد
مجھے بھی شوق تھا دیکھوں میں یہ در و دیوار

اجداد: نجم آفندی کے اجداد تُرک نسل سے تعلق رکھتے تھے جو ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہوئے۔

بھائی بہن: دو بھائی (1) مرزا اعجاز حسین مرحوم اکیس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ یہ عمر میں نجم سے بڑے تھے۔

(2) مرزا سلیمان کوکب آفندی، چھوٹے بھائی جن کی صاحبزادی مشہور مرثیہ نگار شاعر باقر زیدی کی شریک حیات ہیں۔ ایک بہن شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کج کلاہ پروین پیدائش 1901 جو بزم آفندی کی دوسری انگریز بیوی کے بطن سے تھیں۔ پروین کج کلاہ عمدہ شاعرہ تھیں۔

شریکِ حیات: ذکیہ سلطانہ 1958ء میں گلے کی کینسر سے انتقال کر گئیں۔ کانپور کے ایک معزز گھرانے کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد: (1) چار لڑکے۔ جن میں تین لڑکے تاجدار، کامران، عباس بچپن میں مر گئے اور اکلوتے بیٹے ہمایوں مرزا المتخلص سہیل آفندی حیات ہیں اور حیدر آباد دکن میں مقیم

ہیں۔

(2) سات لڑکیاں۔ ایک بیٹی تسنیم کا کمسنی میں انتقال ہوگیا۔ دو بیٹیاں پاکستان چلی گئیں (ایک شادی کے بعد اور ایک کی شادی پاکستان آکر ہوئی) اور چار بیٹیاں ہندوستان میں مقیم رہیں۔ جن میں سے سب سے چھوٹی بیٹی توصیف بھی نجم صاحب کے ہمراہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان آئیں جن کی شادی ان کی حیات میں پاکستان میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: 1- نجم آفندی کی اردو اور فارسی تعلیم گھر پر ہوئی۔

2- قرآن مجید اپنے چچا مرزا ہادی علی سے پڑھا

3- مفید عام اسکول آگرہ سے انگریزی میں مڈل پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو فارسی مولوی سلامت اللہ سے اور انگریزی اسکول کے ہیڈ ماسٹر راج کمار سے پڑھی۔

4- اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری لکھتے ہیں۔ ''نجم آفندی کو اردو فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی درک ہے۔ ان کی ہندی زبان میں بھی تصنیفات ملتی ہیں۔''

5- ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی دبستانِ دبیر میں لکھتے ہیں۔ نجم آفندی اردو، فارسی اور عربی اچھی جانتے ہیں اور انگریزی میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔

6- ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکر و فن میں لکھا۔ ''اردو فارسی کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن محض قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کو عربی تعلیم کا حصول سمجھ کر مالک رام اور ڈاکٹر ذاکر حسین کو مغالطہ ہوا ہے۔ خود نجم آفندی نے اپنے خط میں عربی نہ پڑھ سکنے کے بارے میں لکھا ہے۔

7- اردو فارسی اور انگریزی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ انھیں گھر پر عام طور سے انگریزی ناول کو بھی مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

8- نجم آفندی شمشاد حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں ''میری تعلیم اس زمانے کے مڈل تک ہوگی مگر کم از کم انگریزی کی دو ہزار کتابیں ہر قسم کی میری نظر سے گزری ہیں۔

شکل و صورت: شکل و صورت تصویر سے ظاہر ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ نجم آفندی کا قد تقریباً پانچ فٹ تھا۔ بدن چھریرہ، رنگت سرخ و سپید تھی۔ چہرہ گول خوبصورت ناک اور باریک ہونٹ کے ساتھ بڑے کان اور سر بھی نسبتاً بڑا تھا۔ آخری عمر میں بال

بہت کم رہ گئے تھے۔ خشخشی داڑھی جو مونچھوں سے متصل تھی۔ آواز رعب دار اور
چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔

وضع اور لباس: نجم آفندی نستعلیق شخصیت تھے۔ وہ مشرقی روایات کے پاسدار اور اسلامی تہذیب کے نمونہ تھے۔ جوش ملیح آبادی نے ساقی جوش نمبر میں لکھا۔ ''حضرت نجم آفندی جو اس قدر دین دار و پابند وضع بزرگ ہیں کہ قہقہہ مارنے کو بھی خلاف شرع سمجھتے ہیں۔''

نجم آفندی کے لباس میں سادگی تھی۔ وہ عام طور پر سفید شیروانی، سفید پائجامہ، مخمل کی کالی ٹوپی پہنتے تھے۔ کبھی کبھار کالی شیروانی پر شال اوڑھ لیتے تھے۔ پاؤں میں معمولی سلیپر یا جوتا ہوتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ چھڑی رکھتے تھے۔ عینک صرف حسب ضرورت لگاتے۔

غذا و خوراک: نجم آفندی کم خوراک تھے۔ دیسی گھی اور گڑ سے شدید رغبت تھی۔ ان کی گھی اور گڑ کی چاہت کی کئی داستانیں لوگوں نے بیان کی ہیں۔

سیرت و کردار: ہم نجم آفندی کی سیرت اور عالی کردار کے ساتھ عجز و انکساری کا مختصر خاکہ معز الدین قادری اور ذاکر حسین فاروقی کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں۔ اَسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری نے لکھا ہے۔ ''خاندانی روایات مذہبی تعلیم و تربیت اسلام کی عظیم شخصیتوں کے نقوشِ قدم کو اپنا راستہ بنانے کی سعی و تمنّا نے ان کو کافی متوازن، معتدل مزاج اور بنی نوع انسان کا ہمدرد بنادیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں بصیرت کی چمک ہے اور سنجیدگی کے نہ جانے کتنے راز ہیں۔ انھیں بنی نوعِ انسان سے محبت ہے۔ شخصی اور مذہبی عقائد پر خود سختی کے ساتھ کاربند ہیں لیکن سیرت و کردار میں کہیں بھی ''ملّاپن'' یا پندارِ زہد'' کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سوانگ موجود نہیں۔ بُردبار، حلیم، خوش خلق اور مصیبتوں میں مسکرانے والی شخصیت ان کے سارے کلام سے جھلکتی ہے اور انھیں یہ کہنے کا حق ہے

میری تلاشِ راہ پر ہنستے ہیں آج قافلے
شمع بنائی جائے گی کل میری گردِ راہ کی

بقول جوشؔ ملیح آبادی۔ جہاں تک طبائع کا تعلق ہے، باپ بیٹے میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ ایک رنگین مزاج شاعر تھے اور ان کو رنگینی کبھی چھو کر نہیں گئی تھی۔ وہ سراپا رند تھے اور یہ سرتا بہ قدم متقی اور خشک قسم کے متقی تھے۔

دبستانِ دبیر میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بیان کرتے ہیں: ''مروّت وضع داری، ایفائے وعدہ، حُسنِ معاشرت اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ یکساں برتاؤ آپ کے کردار کی وہ خوبیاں ہیں جو ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کرلیتی ہیں۔ نجمؔ صاحب نے اپنی زندگی کے جو اصول بنائے تھے وہ تاحیات ان پر کاربند رہے اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے انھوں نے ایک کامیاب زندگی گزاری اور ان کی کامیاب زندگی ''قابل رشک موت'' کی ضامن بن گئی۔ بقول خود:

کچھ شعر جو منقبت میں کہہ لاتا ہے
اس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہل بیتؑ کہلاتا ہے

شغل و ملازمت:

1- ریلوے کے محکمہ میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس وقت نجمؔ کی عمر بیس سال تھی۔
2- پھر دہلی میں ملازمت کی۔
3- کالکا اسٹیشن اور غازی پور اسٹیشن پر کچھ عرصہ ملازم ہوئے۔
4- تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہوکر ریلوے کی ملازمت ترک کردی اور تلاشِ معاش میں ردولی پہنچے اور کچھ عرصہ کاشتکاری کی۔
5- جونیئر پرنس معظم جاہ شجیعؔ کے دربار سے منسلک ہوئے۔ ان کے سپرد پرنس کے کلام کی اصلاح تھی۔ تنخواہ بھی اس کام کی پاتے تھے۔ نجمؔ کی ماہانہ تنخواہ دو سو روپے ماہوار تھی۔
6- دربار سے علیحدہ ہوکر مالی پریشانیوں میں بسر کی اور اپنی خودداری کو نبھانے اور پیٹ

کی آگ بجھانے کے لیے چھتہ بازار حیدرآباد میں جوتوں کی دکان تک کھولی۔
تف بر تو اے چرخِ پیر کہ شاعرِ اہل بیتؑ کو اتنی بڑی قوم تنگ دستی میں سہارا نہ دے سکی جبکہ تمام قوم اور تاجر اُن کے کلام سے روحانی اور اقتصادی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اسی لیے تو اپنے خطوط میں اس طرح گلہ کیا ''آج ہندوستان میں تبت سے راس کماری تک میرے نوحے پڑھے جا رہے ہیں لیکن مالی فائدہ دوسرے اٹھا رہے ہیں'' 'کاروانِ ماتم' لاہور والوں نے میری اجازت و اطلاع کے بغیر شائع کر لی ہے۔ لکھا تو جواب تک نہیں دیتے۔ یہ قدر دانی ہو رہی ہے۔ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں اور یہ نفع کما رہے ہیں۔''

شاعری کا آغاز: ۱۲ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا غزل گوئی سے کی۔ شاہ نیاز وارثی کی غزل پر مصرے لگائے

زہے عزّو جلالی بو ترابی فخرِ انسانی
علیِؑ مرتضیٰؑ مشکل کشائی شیرِ یزدانی

پہلا مشاعرہ: جس مشاعرے سے نجم کی شاعری کا تعارف ہوا وہ خود ان کے گھر کے سامنے منعقد کیا گیا تھا جس میں اکابر شعرا نے شرکت کی تھی۔ نجم کی غزل کا مطلع تھا:

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے
قبرِ عاشق اور ایک میلی سی چادر دیکھتے

شاگردی: شاعری کے آغاز میں اپنے والد بزمؔ آفندی کی شاگردی کی لیکن بہت جلد ہی اصلاح سے بے نیاز ہو گئے۔

صحبتِ اساتذہ: نجم آفندی کو گھریلو ماحول کے علاوہ اپنے دہلی کے قیام کے دوران نواب سائلؔ دہلوی، بےخودؔ دہلوی، پنڈت امرناتھ ساحرؔ، منشی امیر اللہ تسلیمؔ، شوکت علی میرٹھی، عبدالرؤف عشرتؔ، ناصر علی خاں مچھلی شہری اور وقارؔ کانپوری جیسے شعرا کی صحبت حاصل تھی۔
انھیں اساتذہ نے نجم کی شعری صلاحیتوں سے متاثر ہو کر کہیں اس نو جوان شاعر کو صدر مشاعرہ بنایا تو کہیں راجہ پنڈ راول نے ان کی شاہکار نظم کو (1800) سو روپیوں

میں خرید کر یہ رقم یتیم خانہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ کبھی محفلِ مقاصدہ میں صفی لکھنوی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ''نجم صاحب ہم نے بائیس (22) سال اس محفل میں چراغ جلایا ہے اب آپ کی باری ہے۔''

خطاب: ناصر الملّت نے نجم آفندی کو ''شاعرِ اہلبیتؑ کا خطاب دیا جو نجم آفندی کے مسلسل سلام اور قصیدہ نگاری کا اثر تھا۔

یہاں یہ بات بھی خارج از محل نہیں کہ نجم آفندی کے دادا کے بھائی مرزا فصیح کو خلافت عثمانیہ کی جانب سے آفندی خطاب کعبۃ اللہ اور حاجیوں کی خدمت کرنے پر دیا گیا تھا جو نسلاً بعد نسل استعمال ہو سکتا تھا۔

ہم عصر شعراء: حالؔی، اکبرؔ الٰہ آبادی، اقبالؔ، سائلؔ دہلوی، منشی امیر اللہ تسلیمؔ، نسیم، حسرتؔ موہانی، صفیؔ لکھنوی، مرزا اوجؔ، دولھا صاحب عروجؔ، مرزا ثاقبؔ، آرزوؔ لکھنوی وغیرہ بزرگ عمر ہم عصر شعرا تھے جب کہ ان کے ہم عمر شعرا میں فانؔی، جوشؔ، صدق جائسؔی، یگانہؔ، سیمابؔ، مہذبؔ لکھنوی، نسیمؔ امروہوی، رئیسؔ امروہوی، سید آل رضاؔ وغیرہ شامل تھے۔

تلامذہ: نجم آفندی کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود انھوں نے جو فہرست جلیس ترمذی کو روانہ کی تھی اس میں (69) نام تھے۔ وہ بعد میں بڑھ کر (72) ہوگئی، اور کچھ اس طرح ہے جسے ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکر و فن میں نقل کیا ہے۔ رعناؔ اکبر آبادی، جعفرؔ مہدی، رزمؔ رودولوی، صفدرؔ حسین کاظمی، عبدالسعید رشکؔ، عابدؔ مرحوم، وزارتؔ علی، علی انجم اکبر آبادی، مرزا عبدالکریم مضطرؔ، کوکبؔ اکبر آبادی، جلیسؔ ترمذی، انتظامؔ الحسینین، خاورؔ نوری، سعیدؔ شہیدی، مرزا عادلؔ، ساجدؔ رضوی، شاہدؔ حیدری، عازمؔ رضوی، قائمؔ جعفری، عباسؔ عابدی، خورشیدؔ جنیدی، باقرؔ منظور، طاہرؔ عابدی، خواجہ ضمیرؔ، کاوشؔ حیدری، منجوؔ قمر، راحتؔ عزمی، تصورؔ کرت پوری، عباسؔ زاہد، شہیدؔ یار جنگ، ہشیارؔ جنگ، ڈاکٹر اخترؔ احمد، تبسمؔ نظامی، طالبؔ رزاقی، حرماںؔ خیر آبادی، عاصم جمیلؔ، ساحرؔ نجمی، سعیدؔ السائمہ، زیبا رودولوی، پرنس معظم جاہ شجیعؔ، ہاشمؔ جاں بہادر، اخترؔ زیدی، حسن مدنی، اثرؔ غوری، کاظمؔ رشک، شاغلؔ حیدر آبادی، صمیمؔ

حیدر، محبؔ جاورہ، صادقؔ نقوی، سوزؔ رضا ترمیم، تقیؔ عسکری، اقبالؔ عابدی، سید جعفرؔ حسنین، زاہدؔ رضوی، ظہیرؔ جعفری، آغا ہاجرؔ، باذلؔ عباس ضیغم، سائرؔ، ثاقبؔ، سعادتؔ نظر، عبدالحیؔ خاں، شارقؔ، بانوؔ سید پوری، نظیرؔ سیہوری، عقیلؔ نجمی، سہیلؔ آفندی، روپؔ کماری، بیدارؔ نجمی اور وفا ملک پوری وغیرہ۔

ڈاکٹر نواز حسن زیدی لکھتے ہیں کہ تلامذہ کی اصلاح کے وقت نجم آفندی کے ہاں وہی جذبہ کارفرما ہے جسے عشقِ اہلِ بیتؑ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ تلامذہ کے کلام کی اصلاح کے لیے باقاعدہ اصول وضع کر رکھے تھے۔ شاگردوں کے خطوط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ''مجھے امید نہیں کہ جلد تمھارا کلام دیکھ کر بھیج سکوں گا۔ از روئے انصاف سلسلہ وار دیکھتا ہوں'' آج کل چار طرف سے پاکستان اور ہندوستان سے اصلاح کا کلام آرہا ہے۔ سر اٹھانے کی مہلت نہیں۔ دماغ بھی کام دیتا ہے تو ہاتھ کانپتا ہے کس کس کو منع کروں اور کیسے ممکن ہے مدحِ اہلِ بیتؑ کا مسئلہ ہے۔

مدتِ مشقِ سخن: تقریباً ستر (70) سال

مسافرت برائے شاعری: دہلی، کانپور، لکھنؤ، حیدرآباد، کراچی، کلکتہ، بنارس، لاہور ہی نہیں بلکہ دور دراز کے چھوٹے مقامات پر بھی تبلیغِ پیامِ اہلِ بیتؑ میں مشغول رہے۔ چنانچہ فیض آباد، بریلی، بارہ بنکی، سیتاپور، بھرت پور، اجین، مدراس اور بلرام وغیرہ کے لوگ بھی موصوف کے کلام کے دلدادہ رہے۔

زیارت عتبات عالیہ: 1950ء اگست میں زیارتوں کے لئے عراق گئے اور مختلف مقاماتِ مقدسہ پر حاضری دی اور اپنے تاثرات کو منظوم لکھ کر ''تاثراتِ زیارت'' کے عنوان سے شائع کیا۔

تصنیفات: راقم کو کائناتِ نجم آفندی مرتب کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نجم آفندی کی تصانیف تقریباً عنقا ہیں۔ نجم آفندی کی چالیس (40) سے زیادہ تصانیف شائع ہوئیں۔ سب سے پہلی تصنیف ان کے کلام کا مجموعہ 1917 میں اور آخری تصنیف

''لہو قطرہ قطرہ'' ان کے انتقال کے چار سال بعد 1979ء میں شائع ہوا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے لکھا ہے کہ نجم آفندی نے حیات میں چند تصانیف مرتب کی تھیں مثلاً ''گلدستہ نعت'' ''مذہبی رباعیات'' ''قومی اور مذہبی نظموں کا مجموعہ'' ''خودنوشت سوانح حیات'' جو نامکمل رہ گئی تھی جو کبھی شائع نہ ہوئیں۔ نیز نجم کے مضامین کا کوئی مجموعہ بھی ترتیب نہیں دیا گیا۔

نجم مرحوم کی تصانیف کی فہرست جو ضمیر اختر نقوی نے مرتب کی ہے یہاں پیش کی جارہی ہے۔ باضافہ چند تصانیف جو بعد میں شائع کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
.1	پھولوں کا ہار	1917ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	پہلا مجموعہ کلام۔ادبی، اخلاقی قومی نظموں کا مجموعہ وہ نظمیں جو شیعہ کانفرنس میں پڑھی گئی تھیں۔
.2	قصائد نجم	1943ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	رباعیات (32) قصائد اور نظمیں (25)
.3	تہذیب مودّت	1943ء	تاج پریس، یوسف آباد، حیدرآباد	رباعیات (140)
.4	اشاراتِ غم حصہ اول	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (32) نوحے
.5	اشاراتِ غم حصہ دوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (33) نوحے
.6	اشاراتِ غم حصہ سوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (21) نوحے
.7	کربل کی آہ	———	کتب خانہ اثنا عشری، لکھنؤ	جدید نوحہ جات (9) نوحے
.8	آیاتِ ماتم	1361ھ	نظامی پریس، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض
.9	تصوراتِ غم	1943ء	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
.10	کربل نگری	1361ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	سیزدہ صد سالہ یادگارِ حسینی پر لکھی گئی نظم (اردو۔ ہندی)
.11	اسلام پوتھی	1380ھ	امامیہ مشن لکھنؤ	طویل مثنوی، آغاز اسلام سے ہجرت حبشہ تک (اردو۔ ہندی)
.12	فتحِ مبین	1943ء	نظامی پریس لکھنؤ	ایک مرثیہ۔ 5 سلام، 9 رباعیات
.13	بیاضِ نجم	1950ء	مکتبہ سلطانی، بمبئی	نوحہ جات، (حصہ اول، 53 نوحے، حصہ دوم 81 نوحے)
.14	شاعرِ اہل بیت جیل میں	1939ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	قومی نظموں اور قطعات کا مجموعہ
.15	حسینی سنسار	1364ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحہ جات
.16	کاروانِ ماتم	——	کتب خانہ اثنا عشری لاہور	(54) نوحے اور سلام
.17	پریم بھگتی	——	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	ہندی نظموں کا مجموعہ، اردو رسم الخط میں
.18	دارالسلام	——	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	جدید رنگ کے سلام
.19	تاثراتِ زیارت	1950ء	الکٹرک پریس، حیدر آباد	زیارت سے متعلق منظوم خراج عقیدت

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
20.	نصابِ دینیات	1364ھ	مطبع حیدری، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر دینی احکامات (نثر)
21.	شہیدوں کی باتیں	1952ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	کربلا والوں کے اقوال اور کارنامے (نثر)
22.	حسینؑ اور ہندوستان		مکتبہ ناصری گولہ گنج لکھنؤ	ہندوستان کا امام حسینؑ سے روحانی تعلق (نثر)
23.	لغات المذہب	1961ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	ایک ہزار مذہبی الفاظ پر مشتمل لغت (نثر)
24.	چور اماموں	1349ھ	زاویہ ادب، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر اخلاقی افسانہ (نثر)
25.	چاند کی بیٹی	—	—	—(نثر)
26.	پھول مالا	—	—	—(نثر)
27.	معراجِ فکر	1959ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	مرثیہ
28.	اسرار و افکار	1971ء	ادارۂ قدر ادب، حیدرآباد	چار سو رباعیات وقطعات
29.	قصائدِ نجم	1372ھ	تاج پریس، حیدرآباد	سولہ(16) قصائد کا مجموعہ
30.	جانِ کربلا	1960ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے+سلام)
31.	معرکۂ غم		مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے+سلام)
32.	دکھ کا ساگر		مکتبہ ناصری گولہ گنج لکھنؤ	(نوحے+سلام)

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
.33	کاروانِ عزا	———	عزادار بک ڈپو	نوحے اور سلام
.34	ترقی کی برکتیں	———	———	———(نثر)
.35	قصاید قدسی	———	مطبوعہ شمسی پریس، آگرہ	قصائد
.36	ستارے	1364ھ	دکن اُردو اکادمی	نظموں کا مجموعہ
.37	بندۂ خدا	1969ء	کاظمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد	ایک مذہبی ناول (نثر)
.38	نفس اللہ	———	دائرہ الکٹرک پریس، حیدرآباد	———(نثر)
.39	ترقی پسندوں کے نام	———	———	———(نثری کتاب)
.40	رباعیاتِ نجم آفندی	———	امامیہ کتب خانہ لاہور	(145) رباعیات
.41	پنجتنی قصائد (غیر مطبوعہ)	———	———	قصائد
.42	رباعیات	1976ء	اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد	(30) رباعیات
.43	لہو قطرہ قطرہ	فروری 1979ء	پرنٹنگ محل، ناظم آباد کراچی	پچاس منتخب غزلوں کا مجموعہ

وطن پرستی اور انگریز نفرت: سچ تو یہ ہے کہ برصغیر نے علامہ نجم آفندی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور آزادی کے بعد ع: منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

وطن دوستی انگریز نفرت اور قومی محبت نجم آفندی کے ریشہ ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ذیل میں چند واقعات اور حکایات ہمارے دعویٰ کے ثبوت ہیں۔

1. ابتدائی عمر میں جب اسکول میں کسی ہندولڑکے سے جھگڑا ہونے کے بعد ان کے ہیڈ ماسٹر راج کمار کے جملہ ''تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے؟'' نے فوراً

انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اپنی خودنوشت میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''میرے دل نے آواز دی کہ تیسرے سے مراد انگریز ہے جس کی غلامی کی صعوبتیں ہم برداشت کررہے ہیں لیکن اس کو مار بھگانے کی جسارت نہیں کرتے۔''

2. نجم آفندی کی کھدر پوشی سے تنگ آکر ان کے انگریز افسر نے ان کا تبادلہ سزا کے طور پر آسنسول کردیا۔ چنانچہ بعد میں نجم نے تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہوکر سرکاری ملازمت سے ہمیشہ کے لئے استعفیٰ دے دیا۔

3. انگریزوں کے استعمار سے بیزار ہوکر زمانۂ طالب علمی میں ایک چھوٹی سی انجمن بنائی جس کا خفیہ ایجنڈا انگریزوں سے ان ہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ اور قومی ملی یکجہتی تھا۔ اس انجمن کے ممبر ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ انجمن رشتوں کے بھائی کی سازش سے ختم ہوگئی۔

4. سرکاری ملازمت سے علیحدگی کے بعد قومی اور مذہبی رجحان نے تقویت پائی چنانچہ ایک طویل پچیس (25) بند کی نظم ''دُرِ یتیم'' لکھی جو ''پھولوں کا ہار'' مجموعۂ کلام میں شامل ہے اور اس نظم کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا ہے کہ یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں حشر برپا کردیا تھا اور جس پر راجہ سید ابوجعفر صاحب نے ساڑھے چار ہزار روپے نچھاور کردیے تھے۔

5. نجم آفندی نے اپنی تصنیف ''ترقی کی برکتیں'' میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے لکھا۔ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کی بہترین صورت یہ ہے کہ دونوں قوموں کے نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے طاقت ور بازوؤں کا صحیح مصرف کریں اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے فساد روک کر ملک کی سب سے بڑی خدمت کریں۔

6. نجم آفندی جلیس ترمذی کے خط میں لکھتے ہیں: ہندو قوم کے افراد نے گاندھی جی کو ختم کرکے دنیا کو یہ بتادیا ہے کہ ہندوستانی ذہنیت کہاں تک پست ہوسکتی ہے۔

7. نجم آفندی کانگریسی تھے اور اسی لئے کانگریسی مشاعرے بھی کروائے۔ ایک مشاعرے

میں تو ردیف ''کھدر'' رکھی گئی۔ انگریز دشمنی اور وطن دوستی نے نجم کو کانگریسی بنادیا۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں۔ ''ہم نے ایسے بھی مشاعرے کیئے ہیں جن کا مقصد حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تھا۔ ایسے مشاعروں کو کانگریسی مشاعروں کا نام دیا جاتا تھا۔ میرے ایک دوست برہم سروپ خار میرٹھی میری طرح پکے کانگریسی تھے۔

8. ترقی کی برکتیں میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کی بدقسمتی سے ہندومسلم اختلاف پیدا ہوا۔ تضاد بڑھنے لگا اور آج وہ نوبت آئی کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی تجویز پیش کرنی پڑی۔

صدمات: 1. سرکاری نوکری سے استعفیٰ کے بعد مالی بحران سے دوچار رہے۔ ماہنامہ ''مشورہ'' جاری کیا لیکن مالی حالت بدتر ہوگئی۔

2. پرنس معظم جاہ کے شاہانہ مزاج کو برداشت نہ کرسکے اور نوکری ترک کردی۔ کچھ دنوں کی فارغ البالی پھر مالی بحران میں تبدیل ہوگئی۔

3. 1953ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔

4. 1958ء میں اہلیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

5. برادر خرد کوکب آفندی اور دو بیٹیوں کا پاکستان میں ہمیشہ کے لئے آباد ہونا۔

علالت اور مرض الموت: نجم آفندی کو پرنس معظم جاہ شجیع کی دربارداری نے نیند کی گولیوں کا محتاج کردیا تھا، چنانچہ آخری عمر تک ان زہریلی دواؤں کا اثر باقی رہا۔ اعصاب میں تناؤ کم خوابی، لاغری اور ضعف کے علاوہ آخری عمر کے حصے میں معدہ، جگر، قلب کی بیماریاں اور رعشہ وثقل سماعت سے دوچار رہے۔ آخری عمر جو پاکستان میں گزری عموماً بہت کم باہر نکلتے تھے اور زیادہ تر بستر پر لیٹے رہتے تھے۔

پاکستان میں: 1. نجم آفندی پہلی بار اپریل 1971ء میں دہلی سے بذریعہ ریل گاڑی لاہور پہنچے اور ۱۴ دن قیام کے بعد کراچی آگئے۔ ایک مرتبہ پھر لاہور جاکر آخری وقت تک کراچی میں مقیم رہے۔ نجم صاحب محافلِ شعروسخن، مشاعروں مسالموں، مقاصدوں اور مجلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ پاکستان میں تقریباً ہر بڑے اور معروف ادیب،

اگست ۱۹۷۴ء تک روزانہ اکیلے ٹہلنے نکلتے تھے اور کافی دیر ٹہلا کرتے تھے

شاعر اور خطیب سے ملاقاتیں رہیں۔ ان کا کلام روزناموں، رسالوں، جریدوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں قیام کے دوران بعض اوقات اپنی یادداشتیں ایک ڈائری میں بھی مرتب کیں جو ان کی ملاقاتوں اور محفلوں کی عمدہ یادگاریں ہیں۔

وفات : تاریخ 17/ذی الحجہ 1395 ہجری مطابق 21/دسمبر 1975ء

وقت : ½ 9 بجے صبح

مقام : کراچی

دن : اتوار

غسل میت : وصیت کے مطابق مکان پر ہوا

نمازِ میت : بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں پڑھائی گئی

دفن : سخی حسن دربار کے قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد ہوا۔ شفیق اکبر آبادی نے تلقین پڑھائی۔ سوئم کی مجلس رضویہ سوسائٹی کے امام باڑے میں ہوئی۔ سید ضمیر اختر نقوی صاحب نے مجلس پڑھی۔ جنازہ میں صرف پچیس تیس افراد نے شرکت کی۔

قطعات، اشعار اور مصرعہ تاریخ وفات

1. جناب نسیم امروہوی:

لکھ دو نسیم باکمال قبر پہ سالِ انتقال
بقعۂ پاک محوِ خواب شاعرِ اہلِ بیتؑ نجم

1975ء

2. جناب رئیس امروہوی:

فراقِ نجم آفندی مرحوم
"غروب انجم نجم" اے قلم لکھ

1395ھ

3. جناب فیضؔ بھرت پوری:

رحلت شاعرِ فنا فی اللہ
نجم آفندی اکبر آبادی

1975ء

4. جناب ساحرؔ لکھنوی

سال رحلت کے لئے قبر پہ لکھ دو ساحرؔ
نجم ہے دامنِ مدفن میں ستارے کی طرح

1395ھ

5. جناب کسریٰؔ منہاس:

دُریک دانہ نکتہ داں شاعر

1395ھ

شاعرِ نکتہ داں گرامی تبار

1975ء

6. جناب نیساںؔ اکبر آبادی

تذکرۂ اہلِ بیت جس کا تھا شغل سخن
خلد میں وہ آگیا شاعرِ شیریں نوا

1975ء

7. جناب خلشؔ پیراصحابی:

الف سے الم کے خلشؔ اب تو یوں
ہے لکھاً غم نجم دائم رہا

1 + 1394 = 1395ھ

8. جناب باقرؔ امانت خوانی:

اس طرح باقرؔ نے کھینچا منظرِ سالِ وفات
اب فلک سے شاعری کے نجم ٹوٹا جلوہ ریز

1975ء

9. پروفیسر فیضی:

بتائید الٰہی یہ شرف فیضی انہی کا تھا
عزادارِ شہید کربلا تھے نجم آفندی

1975ء

10. جناب شائق زیدی:

رہے وہ اے شائق بہ تجمّل | شاعرِ اہل بیت جہاں میں
پڑھتے ہوئے آیاتِ ماتم | نجم گئے ہیں باغِ جناں میں

1395ہجری

11. جناب فضل الدین فدا

تعزیت نامہ پاسدار اہل حق

1395ہجری

وفاتِ حسرت آیات جلیل القدر

1975ء

مرجعِ کرم خسروِ اقلیمِ دانش

1975ء

برگزیدۂ رحمٰن نازشِ ملت نجم آفندی اعلی اللہ مقامہ

1975ء

وحید زماں بلند آستاں نور اللہ مرقدہ

1395ہجری

یہ صدمہ کس قدر غم آفریں ہے | نظر بے چین دل اندوہ گیں ہے
فدا لکھ نجم کی تاریخ رحلت | بلا شک ساکنِ خلدِ بریں ہے

1395ہجری

تعدادِ کُل کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

علاّمہ نجم آفندی

نمبر شمار	صنفِ سخن	تعداد	تعداد اشعار
1.	غزلیں	195	1932
2.	رباعیات	591	1182
3.	قطعات	498	1001
4.	نعت	16	304
5.	قصاید	81	2519
6.	سلام	107	1375
7.	مراثی	3 (209 بند)	627
8.	نوحے	144	2237
9.	تاثیر زیارات	10	128
10.	متفرقات	83	1036
11.	ہندی کلام	18	458
کل اشعار = (12799)			

علّامہ نجمؔ آفندی
کے
سلاموں کا مجموعہ

1. نجمؔ کے سلاموں کی آفاقی قدریں — ڈاکٹر سید تقی عابدی
2. منتخب اشعار — (220) عدد
3. سلام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) — (107) عدد
4. کل تعداد اشعار — (1375)

سیّد انوار الحسن نقوی نبیرۂ نجم آفندی

حرفِ سپاس

میں خانوادۂ حضرت نجم آفندی کے ایک فرد کی حیثیت سے جناب ڈاکٹر تقی عابدی کی اُن تمام کاوشوں اور کوششوں کو سراہنے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنی اور خانوادۂ نجم آفندی کی طرف سے تہ دل سے شکریہ بھی ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے اکیسویں صدی میں آسمانِ علم وادب پر ''**کائناتِ نجم**'' کی صورت میں یہ ستارہ پھر درخشاں ہوا۔ یہ نہ صرف جنابِ نجم آفندی کی ذاتی خواہش تھی بلکہ اُن کی رحلت کے بعد میری والدہ کی بھی دیرینہ تمنا تھی کے اُن کا غیر مطبوعہ کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہوسکے۔ اس خواہش اور تمنا کی تکمیل ڈاکٹر تقی عابدی کی محنتِ شاقہ اور سعیٔ عظیم سے ممکن ہوئی۔ میری والدہ اور خانوادۂ نجم آفندی اُن کے لئے ہمیشہ دعا گو رہیں گے اور اس کتاب کے انتساب پر بھی ممنون رہیں گے۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے علامہ نجم آفندی کے کلام کے بکھرے ہوئے اوراق کو یکجا کرنے کے علاوہ قوم وملّت پر ایک اور احسانِ عظیم کیا ہے کہ قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے نجم صاحب کے مزار پر وفد کی صورت میں فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے اور پھولوں کی چادر چڑھائی۔ پوری قوم کو اُن کے اس عمل پر شکرگزار ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی

نجم کے سلاموں میں آفاقی قدریں

اردو ادب میں سلام گوئی کی روایت تقریباً چار سو سال سے جاری ہے۔ سلام کی صنف ان اصنافِ شعر میں ہے، جو اردو ادب میں پھولی پھلی اور مشہور ہوئی۔ عربی زبان میں ایک جداگانہ صنف کے اعتبار سے سلام کا وجود نہیں ملتا، لیکن فارسی ادب میں کچھ اشعار بشکلِ سلام نظر آتے ہیں، جو ترکیب بند اور ترجیع بند میں کہے گئے ہیں۔ ہماری رثائی شاعری، جو سوز، سلام، مرثیہ اور نوحے جیسی اصناف پر مشتمل ہے، اس میں سلام کا تصور قرآن مجید میں سورہ الاحزاب کی آیت سے ماخوذ کیا گیا ہے، جس میں ارشادِ خداوندی ہے کہ ''اے ایمان والو! جس طرح خدا اور اس کے فرشتے، پیغمبرؐ اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجتے رہو''۔ اردو ادب نے سلام برخواص کی روایت کو ایسا اپنایا کہ اردو شاعری میں سلاموں کا ایک ضخیم ذخیرہ جمع ہو گیا، لیکن دوسرے رثائی اور مذہبی ادب کے ساتھ ساتھ کئی صدیوں تک یہ ذخیرہ بھی طاقِ نسیاں کی زینت بنا رہا اور اس کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ عربی اور فارسی کی طرح اردو ادب میں بھی عروضی ہیئتی تقسیم سے ہی مختلف اصناف بنائی گئی ہیں۔ جیسے غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مستزاد، ترکیب، بند، ترجیع بند وغیرہ۔ رثائی اور مذہبی ادب جس میں مرثیہ، سلام، نعت، منقبت وغیرہ شامل ہیں، اس کو موضوعاتی تقسیم قرار دیا گیا ہے۔ یعنی بحیثیت صنف، سلام اردو میں ایک موضوعی صنفِ سخن قرار پاتا ہے۔ امداد امام آثر نے ''کاشف الحقائق'' میں لکھا ہے کہ عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام شے واحد ہے، مگر ان کے مضامین اور تقاضے ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ ان کے مختلف اشعار میں مختلف خیالات و مضامین نظم ہوتے ہیں اور ایک شعر کا دوسرے شعر سے معنوی اعتبار سے مربوط ہونا ضروری نہیں۔ جناب امداد آثر

نے یہ بھی بتلایا کہ سلام عروضی ترکیب رکھتے ہوئے بھی غزل سے علیحدہ ہوتا ہے چونکہ اس میں واردات قلبیہ و معاملاتِ ذہنیہ پر رثائی رنگ غالب رہتا ہے اور سلام میں واقعہ کربلا، رحلت رسول اکرم ﷺ اور ذکر مصائب فاطمہؑ و ائمہؑ کا بیان ہوتا ہے۔ اگرچہ سلام کی تاریخ اور اس کے ارتقائی سفر پر کوئی خاص تحقیقی کام ابھی تک انجام نہ ہوسکا، لیکن سلام کے ابتدائی نمونے جو ہمیں دستیاب ہوئے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ اردو سلام گوئی کا آغاز سرزمینِ دکن سے سولھویں صدی میں ہوا۔ قلی قطب شاہ، معانؔی، علی عادل شاہ ملا وجہؔی، ملا غواصؔی، عبدلؔ بیجا پوری، رُستمؔی بیجا پوری، ملک الشعرا ملا نصرتؔی بیجا پوری، سید باقؔی، امامؔی دکنی، دردؔی، درگاہ قلی اور سید ولؔی محمد دکنی کا چیدہ چیدہ کلام، جو ہماری دسترس میں ہے، اس میں سلاموں کی کثیر تعداد شامل ہے۔

ان شعراء میں درگاہ قلی کو خاص شہرت حاصل ہے جو سلام بشکل مربع لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس دور میں سلام کی ہیئت کا تعین نہیں تھا، چنانچہ بیشتر سلام مثلث، مخمس، مسدس، ترکیب بند اور ترجیع بند وغیرہ ہیئتوں میں لکھے ملے ہیں، لیکن ان سلاموں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے مطلع اور ردیف میں لفظ سلام، سلام علیک، علیک السلام مجرئی، فاتحہ وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے جو صنفِ سلام کو دیگر رثائی اصناف سے جدا کرتا ہے۔

معروف شاعر ولؔی دکنی جس کو محمد حسین آزؔاد نے شاعری کے باوا آدم کا لقب دیا ہے اور شمالی ہند کی شاعری جن کی مرہونِ منت ہے اور انھی کی دلی کی آمد و رفت نے دلی والوں کو صنفِ سلام کی طرف متوجہ کیا تھا جس کے نتیجے میں شمالی ہند کے مشہور رثائی شعرا مسکیؔن، ہدایتؔ، افسردہ، میاں سکندؔر، شاکر ناجی کے علاوہ ان کے بعد آنے والے مشہور شعراء ضاحکؔ، سوداؔ، میر تقی میرؔ، مصحفؔی وغیرہ نے بھی سلام کی صنف کے دامن کو عشق آل محمد ﷺ سے سرشار کردیا۔ میرؔ، سوداؔ، اور ضاحکؔ کے دور تک سلام کی ہیئت بشکل منفرد یا غزل تقریباً منظم ہوچکی تھی اور قدما کی تقلید کو برقرار رکھتے ہوئے صرف مطلع میں ایک بار لفظ سلام یا مجرئی وغیرہ کا استعمال لازم سمجھا جاتا۔ سلام کے ارتقاء کا دوسرا دور دلی میں شاہ ظفرؔ، ظہیرؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، سالکؔ، عارفؔ، باقر شہید اور لکھنؤ میں ضمیرؔ، خلیقؔ، فصیحؔ، دلگیرؔ، اور ناسخؔ کا تھا۔ اس دور میں تقریباً ہر بڑے شاعر نے سلام کہے اور ان سلاموں میں تغزل کا رنگ اور منقبت کی چھاپ بھی نظر آنے لگی جو عقیدت، محبت اور

تصوف کی بلندیوں سے حاصل ہوئی۔ سلام گوئی کا تیسرا اور سنہرا دور مرثیے کے سنہرے دور سے ملا ہوا ہے۔ یہ دور میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا عہد شاعری تھا، جس میں سلام صرف واقعاتِ کربلا پر محور کرتا ہے۔ اس دور میں سلام صرف غزل کی ہیئت پر لکھے گئے اور کچھ عرصے بعد مطلع میں لفظ سلام، سلامی، مجرئی، مجرا، سلام علیک جیسے الفاظ کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ، کے بعد ان کے شاگردوں جن میں عارفؔ، نفیسؔ، اوجؔ، وحیدؔ، منیرؔ، نظیرؔ، عروجؔ اور بیسویں صدی کے ابھرتے شاعروں نے سلام کے دامن کو تغزل اور منقبت کے رنگ سے گہرا تو کیا اور سلام میں عقیدتی اشعار کے ساتھ سماجی، اخلاقی، اور انقلابی، اشعار بھی داخل کیے لیکن انیسؔ اور دبیرؔ کی بنائی ہوئی حصار سے باہر نکل نہ سکے۔ امیرؔ مینائی، اسیرؔ اور نواب داغؔ نے سلام کو مسدس کی شکل میں کہنے کی کامیاب کوششیں کیں، لیکن اس کی تقلید نہ ہوسکی۔ دورِ جدید کے شعرا جن میں جوشؔ ملیح آبادی، آلؔ رضا، نجم آفندی، ماہرؔ القادری، احسانؔ دانش، جمیلؔ مظہری وغیرہ نے ادب برائے زندگی کو اپناتے ہوئے سلام کو اپنی عقیدت اور انقلابی پیام کا وسیلہ بنانے کی کوشش کی اور یہ کوشش آج بھی جاری ہے۔ بقول جوشؔ ملیح آبادی:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

سلام نگاری کی روایت، تاریخ، ہیئت کے مختصر جائزے کے بعد ہمیں اس اہم صنف سخن کی اقدار پر بھی مختصری روشنی اس لئے ڈالنی ہے کہ نجم آفندی کی سلام نگاری انہی آئینوں میں جلوہ افروز ہوگی۔ جہاں تک سلام، ایک مستقل صنفِ سخن کا تعلق ہے، تقریباً تمام علمائے ادب اور خصوصی طور پر علمائے رثائی ادب نے اس کی تردید اس لئے نہیں کی کہ اس کے وجود میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہ تھی اور سلام پر جیسا کہ ہم آئندہ صفحات پر بیان کریں گے، خاطر خواہ، بلکہ ابتدائی کام بھی نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر سید عباس رضا نے ڈاکٹر شاربؔ ردولوی کے بیان ''سلام کا ارتقا مرثیے کی ایک ضمنی صنف سے ہوا اور چونکہ اس کا مقصد سوز یا مرثیہ خوانی سے پہلے پیش خوانی کا تھا، اس لئے وہ علیحدہ ایک صنف کی حیثیت سے ادب میں کوئی نمایاں مقام نہیں بنا سکا'' کی تردید کرتے

ہوئے لکھا کہ صنف سلام نے اردو شاعری کے اولین دور میں ہی اپنی حیثیت منوالی تھی، اسی باعث ابتدائی شعرا نے اس صنف کو اپنے افکار ونظریات سے مالا مال کر دیا تھا۔

راقم کی نظر میں یہ درست ہے کہ سلام کی ابتدا مرثیہ کی ضمنی صنف کی حیثیت سے ہوئی، لیکن اب سلام اپنی آپ شناخت بنا چکا ہے اور اردو کی کئی دوسری اصناف سے زیادہ معتبر، ممتاز، مقبول اور مشہور ہے۔ غزل کی ہیئت سے ہمکنار ہوتے ہوئے بھی، اپنی خاص پہچان رکھتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے پاکیزہ موضوعات، جو مرثیہ میں تسلسل کی وجہ سے کثیر تعداد میں بیان نہیں کئے جاتے، وہ سلام میں ہر شعر میں بیان ہوتے ہیں، اسی لئے سلام کے موضوعات کا احاطہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس میں اگرچہ عموماً اخلاقیات کے آبدار اشعار، جو عجز و انکساری، توکّل و قناعت، سخاوت و مہمانداری، شجاعت و امانت داری کے علاوہ حسنِ عمل کی تاکید وتعریف میں ملتے ہیں، لیکن غزل کی طرح اس میں مذہب، عشق، فلسفہ، منطق، حیات اور ممات کے مسائل کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساسات کی فراوانی نظر آتی ہے۔ مقطع میں شاعر داخلی قلبی واردات، اعتقادی تفکرات اور خارجی روداد کو بھی شامل کر دیتا ہے۔ موجودہ دور میں مرثیہ کا انحطاط سلام کے ارتقا سے رثائی ادب کو میزان کر رہا ہے۔ عمدہ اور عالی اقدار اور محاسن سے لبریز سلام لکھے جا رہے ہیں اور اِس موقع اور مقام پر سلام سے شناختی کارڈ کا مطالبہ کسی ملک میں اس کے حکمران عالی پریسیڈنٹ سے ائیرپورٹ پر پاسپورٹ پوچھنے کے مماثل ہوگا۔ ہم سلام کی اس گفتگو کو سلام کر کے نجم کے عالی سلاموں کی تخلیق نگاری کو سلام کرتے ہیں اور غالبؔ کے لہجہ میں سلام گویوں کو ع:

''تم سلامت رہو ہزار برس'' سلامتی کی دعا کرتے ہوئے سلام کے دروازے کو کھولتے ہیں۔

کوئی پندرہ سولہ سال پرانی بات ہے، میرے غریب خانہ واقع نیویارک میں رثائی ادب پر گفتگو کے درمیان ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں سلام کی صنف پر تحقیقی کام کروں، کیونکہ اردو ادب میں اس پر تقریباً کام مفقود ہے جبکہ اس پر غضب کا مواد موجود ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے دو تین جملوں کا اثر مجھ پر شدید اور پُر کار ثابت ہوا اور میں نے اس صنف کے مسائل کی کھوج میں کئی اہلِ ادب سے گفتگو کی اور رثائی ادب کے سلاموں کے مجموعوں کو کھنگالا تو معلوم ہوا کہ جناب علی جواد زیدی کا سلام کے ارتقاء پر مضمون سب سے مستند مضمون

ہے جس کے اشارات انھوں نے انیسؔ کے سلاموں کے مجموعہ میں بھی منتقل کیے ہیں اور اسی مضمون کے چربے مختلف سلاموں کی کتابوں اور مرثیوں کی بیاض میں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور عمدہ مضمون سلام کی تاریخ اور فنی حیثیت پر جناب سعادت رضوی کا ہے جو شہید یار جنگ کے سلاموں کے مجموعہ میں دیباچہ کی صورت میں شائع ہوا ہے۔ ان دو عمدہ مضامین کے علاوہ کوئی اور تحریر میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ پروفیسر گیان چند جو آج کل کیلوفورنیا امریکہ میں مقیم ہیں اور علیل و فریش ہیں، مجھے تقریباً دس سال قبل بتایا کہ 1950ء اور 1955ء کے درمیان شمالی ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے طالب علم نے سلام پر ایک دو سو ڈھائی سو صفحات پر مشتمل مقالہ لکھا تھا، جو ان کی نظر سے گزرا لیکن کبھی شائع نہ ہوا، مزید اطلاعات نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس مقالے کا پتہ لگانا ممکن نہ تھا۔ بہرحال گذشتہ سال میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میں نے ڈاکٹر سید عباس رضا استاد شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور کا ضخیم تحقیقی مقالہ، جو اردو پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے ڈاکٹر سہیل احمد خاں ڈین آف آرٹس گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کی نگرانی میں بعنوان ''اردو سلام نگاری کا تاریخی اور فکری جائزہ'' 2004ء میں مسودہ کی شکل میں دیکھا۔ یہ مقالہ جو بڑے سائز کے 400 صفحات پر مشتمل ہے، آج تک کی مطبوعہ تحریروں سے ہر لحاظ سے قابل قدر اور مستند ہے۔ اس میں پانچ ابواب میں سلام کے فنی مباحث، ہیئت خصوصیات، تاریخی اور فکری مطالعات، پاکستان کے قیام سے قبل اور بعد کے سلام پر اثرات کا مجموعی جائزہ شامل ہے۔ جہاں تک نجم آفندی کے سلاموں کا تعلق ہے، اس مقالے میں ان کے شایان شان مطالب شاید اس لئے نہیں جمع ہو سکے کہ نجم کا کلام آسانی سے دستیاب نہ تھا۔ اب جبکہ کائناتِ نجم منظر عام پر آچکی ہے، اس مقالے میں یہ کمی پوری ہوسکتی ہے۔ بہرحال سلام نگاری پر ڈاکٹر سید عباس رضا، نجم فکروفن پر ڈاکٹر نواز حسن زیدی، نجم کی شخصیت پر ڈاکٹر ریاض فاطمہ اور النجم پر جناب باقر زیدی ہمارے خلوص و محبت کے مستحق اور حق دار ہیں۔

مشہور تاریخی واقعہ ہے جب مہاتما گاندھی سے کسی مغربی خبر نگار نے اہنسا (Nonvcilence) کے بارے میں پوچھا تھا کہ یہ کہاں سے سیکھا تو گاندھی جی نے جواب دیا، اہنسا اور حق پر جان دینا نواسۂ رسول حسینؑ سے سیکھا۔ بس معلوم ہوا کہ پیامِ حسینؑ صرف مسلمانوں

کے لئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے ہے۔ تجم نے شعورِ حریت کا سلاموں کے ذریعہ سبق دیا ہے۔

اگر انساں کو عرفانِ غم شبیرؑ ہوجائے　　شعورِ حریت دنیا میں عالم گیر ہوجائے

جو حریت کی راہ بتاکر گئے حسینؑ　　راہیں نکل رہی ہیں اُسی شاہراہ سے

کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل　　جذباتِ حریت کا جو پروردگار ہو

یہ حریتِ فکر یہ بیداریٔ اقوام　　اک کوششِ تقلیدِ حسینؑ ابن علیؑ ہے

میدانِ کربلا کو اپنا لہو پلاکر　　دنیا میں حریت کا مرکز بنا رہے ہیں

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی　　الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں

چاند نے زہراؑ کے مستقبل کو درخشاں کردیا　　قومیت کی روحِ آزادی کو جولاں کردیا

جہاں تک پیغامِ حسینیؑ کی تبلیغ اور تشہیر کا تعلق ہے، تجم کی شاعری ادب برائے ہدف بن جاتی ہے لیکن اس شاعری میں واعظانہ لہجہ نہیں، نصیحت اور پند نہیں، بلکہ جمالیاتی حِس کے ساتھ ساتھ جذبات اور احساسات کو مہمیز کرنے کی محاکاتی دھیمی روش ہے، جو احساسات کے باریک تار کے ذریعہ قلب میں اتر جاتی ہے اور پھر ذہن روشن ہوجاتا ہے۔ سلام میں اس طرح کے مضامین اس انداز میں تجم سے پہلے اس شدت سے نظم نہیں ہوئے، اگر چہ تجم کے بعد دبستانِ تجم کے دانش آموز ان کے نقوش پر نقش جماتے رہے۔ اگر اردو شاعری میں ان انسانی اقدار کی ترتیب اور نشو ونما شدید ملتی ہے تو وہ علامہ اقبالؔ کا کلام ہے۔ علامہ نے اگر چہ کوئی سلام نہیں لکھا، لیکن دیگر اصناف میں انہی مطالب کو استعارہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ تجم آفندی، نہ غمِ دوراں کے

مارے ہوئے تھے اور نہ غم جاناں کے شہید، بلکہ دولتِ غمِ حسینؑ سے سرشار تھے اور اس لذتِ غم سے دوسروں کو آشنا کرتے رہے۔ اسی غم کو تمام مشکلات اور زندگی کے مکافات کا حل جانا۔ یہ غم ایک طرف عدل و مساوات، حریت و عدالت، عزم و استقلال، حق گوئی، اخلاق و کردار سازی وغیرہ کی نشوونما کرتا ہے، تو دوسری طرف عبدیت کے رشتوں کو گہرا اور رنگین بناتا ہے۔ اس کٹھن مضمون میں آبدار اشعار کی چمک دیکھئے جس سے روح کے گوشے روشن ہوتے ہیں۔

نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی
یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی
غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بنانے کی

یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی
آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے

غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پر اثر انداز
خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں

تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے
صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہوگئے

پھر جائیں دن جو ذوقِ عمل بھی نصیب ہو
اب تک غمِ حسینؑ بحدِ خیال ہے

سب سے عظیم حُسنِ عمل ہے غمِ حسینؑ
کتنی مخالفت ہو، اٹل ہے غمِ حسینؑ

اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو نصیب
ہر عقدۂ حیات کا حل ہے غمِ حسینؑ

تجمِ غمِ حسینؑ سے عزتِ نفس کی بالیدگی چاہتے ہیں، وہ غمِ حسینؑ سے حُسنِ عمل کی کارکردگی کے مشتاق ہیں۔ وہ غمِ حسینؑ کے متعلقات یعنی مجلس، منبر، ماتم، جلوس وغیرہ میں نمائش کے عوض قلبی واردات کے منتظر ہیں اور یہاں ان کا لہجہ کھرا اور صاف ہے کیوں کہ یہ ایک ماموریت ہے

جو شاعرِ اہل بیتؑ نے اپنے سر لی ہے۔

کیا مالکِ اشتر نے جھنجھوڑی ہیں صفیں
ہر جنگ میں صاف کر کے چھوڑی ہیں صفیں
تیرے لیے ہے نفس کا میدان جہاد
کچھ تو نے برائیوں کی توڑی ہیں صفیں

خبر بھی ہے تجھے ہمنامِ عباسؑ
کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق
کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے

حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
مل کے ان اجزا سے بنتی ہے تولّائے حسینؑ

اب ہم میں نہیں جذبۂ انصارِ حسینؑ
اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی

اقوال حسینیؑ ہیں عمل غیر حسینی
یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے

کیا یہ ہے زندگی کا نصب العین
یہ ہے تقلیدِ سیّد کونین

دل دکھاتے رہو غریبوں کا
اور کہتے رہو حسینؑ حسینؑ

اللہ وہی قوم ہو سب سے پیچھے
جس قوم میں ہو معرکۂ کرب و بلا

مولاؑ کا ہر اک معرکۂ علم و عمل
سنتے رہے ہم درود پڑھنے کے لئے

کیا صرف کتابوں کے الٹتا ہے ورق
دنیا کا ورق بھی یا علیؑ کہہ کے الٹ

عالم ہے تو قرآن پہ عامل بھی ہو　　خاک در اہل بیتؑ منزل بھی ہو

نجم آفندی اپنے کلام، خصوصی طور پر اپنے سلام میں قومی افراتفری، بے حسی، بے عملی اور اقدارِ عالیہ کی کمی کو ظاہر کرتے ہوئے اخوت، حُسنِ عمل، محنت اور محبت کی دعوت اس طرح دیتے ہیں کہ سننے والے کو پند و نصیحت معلوم نہیں ہوتا اور اس طرح قومی تعمیر خود بہ خود داخلی انقلاب کی طرح قوم کے دل میں پیدا ہو جاتی۔ ان کا انداز جمالیات، جذبات اور احساسات سے لبریز تھا۔ اسی لیے تو کہا تھا:

شعر و سخن میں نجم یہ ہیں بے نیازیاں　　بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لئے ہوئے

نجم مجلسِ حسینؑ سے انسانیت سازی کا کام لینا چاہتے تھے۔

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے　　دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے　　محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

یہ مجلس نہیں پیان ہیں اطاعت کے　　یہ ہم حسینؑ سے قول و قرار کرتے ہیں

سینے پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے　　انسانیت حسینؑ کے اُسوہ کا نام ہے

عزم خالص چاہیے حُر کے ارادے کی قسم　　بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

دوگام چلے تو کوئی عباسؑ کے مانند　　کاندھے پہ بھری مشک ہے اور تشنہ لبی ہے

روزِ عاشور امام حسینؑ نے ایک عصر نو کی تعمیر کی ہے۔ یہ مطلب نجم کے سلاموں میں مختلف انداز اور مختلف معانی میں نظر آتا ہے۔

پڑھ کر نماز عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ　　اک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے

خون شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے　　ایسی محکم نظر آئے گی نہ تعمیر کوئی

قربان ایسی رت کے جو خود ہو زندگی　　پیمانۂ حیات ہے پیمانِ کربلا

شبیرؑ سیاست کا وہ قائدِ اعظم ہے　　قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

کیا جَون سے رونق ہے انصارِ حسینؑ میں　　رخسارِ شہادت پر اک تل نظر آتا ہے

اے کربلا کے خالق عزم وعمل نے تیرے　　کتنا بڑھا دیا ہے معیار آدمی کا

یہاں تحفظِ انسانیت کا ہے یہ سوال　　زبانِ سبطؑ نبی پر سوالِ آب نہیں

نجم آفندی کے کلام میں برادری، اخوت، مساوات کا درس ملتا ہے۔ وہ برادری، برابری، محبت اور اخوت صرف ملّتِ اسلامیہ کے فرقوں کے درمیان ہی نہیں، بلکہ دنیا کی اقوام کے مابین دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا ہیرو اگرچہ اسلامی اقدار کا نمائندہ ہے۔ لیکن وہ انسانیت کا پیامبر ہے۔ وہ آدمی گر ہے اس خُلقِ عظیم کا پیکر ہے۔

سرکارِ دوجہاں کی محبت کے نام پر　　آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے

نام کس کا اتحادِ ملّت اسلام ہے　　ہم سے پوچھو وہ حسینؑ ابن علیؑ کا نام ہے

اسلام پیامِ امن ہے یاد رہے　　سنّی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو

ضرورت ہے محبت کی سبق نفرت کا پڑھتی ہے　　کہیں دنیا میں کوئی قوم یوں پروان چڑھتی ہے

یہ مصرف علم کا ہے اور یہ عالم نوجوانوں کا　　تعصب بڑھ رہا ہے جس قدر تعلیم بڑھتی ہے

وہ فرضِ پنجگانہ ہو یا ہو صلوٰۃِ عید ملتی ہے ہر نماز سے تعلیمِ اتحاد

ایک اور ایک دو بھی ہوتے ہیں ایک اور ایک مل کے گیارہ بھی

جن کو قدرت نے دی ہے عقلِ سلیم ان کو کافی ہے اک اشارہ بھی

ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی، تجمل آفندی۔ فکر وفن، مطبوعہ لاہور 2000ء کے صفحہ 274 پر لکھتے ہیں:

میر مونس اور مابعد کے سلام نگاروں نے اپنے سلاموں میں اپنے عہد کے شعرا پر بھی چوٹیں کیں اور غیر شیعہ مسلمانوں کی بھی ہجو کی مثلاً:

بھلا تردّدِ بے جا سے اس میں کیا حاصل اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو (مونس)

غیر کی مدح کروں شہؑ کا ثنا خواں ہوکر مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہوکر (انیس)

تجمل کے ہاں اس حوالے سے متشددانہ انداز پایا جاتا ہے۔ تجمل آفندی کے اس رویے کے پس منظر میں اس ماحول کی تلخی بھی ہے اور تجمل آفندی کی اپنی مخصوص طبیعت بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز امپیریل ازم سے نفرت کے باعث انھوں نے ہر اس شخص کی مخالفت کرنا اپنا فریضہ بنالیا تھا جو یا تو خود تخت وتاج وطبل وعلم کا وارث تھا یا کسی حوالے سے شہنشاہیت کو پسند کرتا تھا۔ تجمل آفندی نے اہلِ بیتؑ کی قربانی کو شہنشاہیت کے خلاف ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے نزدیک اہلِ بیتؑ سے عقیدت جزوِ ایمانی ہے لیکن اس عقیدت کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے سلاموں میں ایسے ہی افراد کو اپنی طنز کا نشانہ بنایا ہے جو اس عقیدت کے تقاضوں سے بے بہرہ ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار درج ہیں:

جو بعنوانِ تجارت ہو محبت کیسی کتنے مجلس میں بھی جنت کے خریدار آئے

چھوڑ کر عترت کا داماں کیا مسلماں لے گئے روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظِ قرآں لے گئے

دوَ کثرت سے ہنسو کم، حکمِ قرآنی یہ ہے　　　آپ قرآں در بغل اور دور ہیں قرآن سے

قرآن جس میں اُترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں　　　تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآن کے لئے

دعویٰ ہے دوستی کا غلط اہلِ بیتؑ سے　　　دشمن کا اہلِ بیتؑ کے دشمن اگر نہیں

ہم نے لفظ بہ لفظ اقتباس ڈاکٹر زیدی کا اوپر اس لئے دیا ہے کہ ججم پر انصاف ہو سکے۔ کیوں کہ اوپر دیے گئے مطالب کے جواب میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ہمیں صرف ایک ہی صفحہ میں معروضات پیش کرنا ہیں۔ اس لئے فقروں، تشفی بخش اشاروں، مستند حوالوں اور منطقی سوالوں سے جواب مناسب ہوگا۔

1. میر مونس کا پورا کلام مطبوعہ چھ جلدوں میں راقم کے پاس نول کشور کے پہلے ایڈیشن 1896ء موجود ہے۔ میری نظر سے سلام کا کوئی شعر جو غیر شیعہ مسلمان کی ہجو میں ہو، نہیں گزرا۔

2. جن دو شعروں سے مونس اور انیس کے مثال دی گئی ہے، اس میں اولاً ہجو کا پہلو نہیں، بلکہ شاعرانہ چشمک ہے۔ ثانیاً یہ سلام جس میں رعایا سے لے کر بادشاہ واجد علی شاہ اختر نے بھی شعر کہے تھے، انیسیوں اور دبیریوں کے درمیان ایک ادبی معرکہ آرائی تھی اور اس میں شیعہ سنّی جھگڑا نہ تھا۔ طرفین ایک ہی عقیدے کے افراد تھے۔ اس سلام پر کامل روداد رثائی ادب کے رسالے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی دیکھی جا سکتی ہے۔

3. میر مونس اور مابعد کے سلام نگاروں...... یہ اعتراض خود قابل اعتراض ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سے شعرا ہیں جنھوں نے سلام جو سلامتی، دعا، اور اقدار اسلامیہ کی پاک ترین صنف ہے، اس میں ایسے اشعار لکھے ہوں۔ راقم، سلام نگاری کا طالب علم ہے اور اس طرح کے سلاموں سے بے خبر ہے۔ بہرحال اولاً اگر بالفرض کسی منچلے نے ایسا قدم کیا ہو تو وہ نظم، سلام نہیں کہلاتی۔ سلام میں دل آرائی، قلب سازی اور سلامتی کا درس ہے۔ دل آزار نظموں کو سلام کہنا ناانصافی ہے۔ بہرحال گفتگو تو جب ہوگی جب ثبوت کے طور پر

سلام نگار شعرا کے شعر پیش ہوں۔

4. ''نجم کے ہاں اس حوالے سے متشددانہ انداز پایا جاتا ہے۔'' یہ جملہ اُس حوالے سے کہ شعرا نے غیر شیعہ مسلمانوں کی بھی ہجو کی۔ نجم پر سراسر الزام ہے۔ راقم، دنیائے اردو ادب کا وہ واحد شخص ہے جس نے پہلی بار ان کے تمام تر کلام، جس میں 12752 اشعار شامل ہیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر کائنات نجم میں جمع کیے مجھے ایک بھی شعر غیر شیعہ مسلمان کی ہجو میں نہیں ملا جو پانچ اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش ہوئے اس میں تین شعر قرآن اور عترت، ایک شعر دشمنِ اہلِ بیتؑ سے برأت اور ایک شعر مجلس میں شرکت کرنے والوں سے منسوب ہے۔

5. مجلس کے شرکا تقریباً تمام تر شیعہ لوگ ہوتے ہیں اور پورے شعر کا رجحان، جس میں اہلِ بیتؑ سے محبت کا دعویٰ اور مجلس کو تجارت کا ذریعہ بنانا، صریحاً غیر شیعہ مسلمان سے خطاب نہیں۔ اگر کائناتِ نجم کا مطالعہ ہو تو صدہا اشعار نجم کے محبّانِ اہل بیتؑ اور خطیبوں کے رجحانِ عزاداری کے خلاف ملیں گے۔ نجم شاعر اہلِ بیتؑ تھے ان کی نظر میں مسلمانوں کے صرف دو گروہ ایک محبّ اہل بیتؑ اور دوسرے دشمن اہل بیتؑ تھے چنانچہ شیعہ سنّی وہابی دیوبندی وغیرہ کی تفریق نہیں۔ وہ اپنے کلام اور سلام میں موّدبانہ اور طنزیہ اسی فرقہ کے افراد کو موردِ سوال قرار دیتے تھے جو ان ہی کے مسلک سے تھے۔

6. جہاں تک قرآن اور عترتؑ کا سوال ہے۔ نجم تمام بلادِ اسلامیہ کی مانی گئی معتبر حدیث ''ثقلین'' کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے مسلمانو! میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کلام اللہ اور دوسرے میری عترت۔ تم ان دونوں سے متمسک رہو، کیوں کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں گے۔ چنانچہ نجم نے جو اس حدیث کو نظم کر کے اس کے ساتھ رہنے کی ہدایت کو ظاہر کیا اور اس سے دوری پر طنز کیا، وہ بالکل صحیح ہے۔ اگر اس کو دل آزاری اور ہجو تسلیم کیا جائے تو حضورؐ سب سے پہلے اس کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔ بہر حال نجم حق گو تھے، حق پرست تھے، وہ حق کی بات جو قرآن اور حدیث میں ہو، اسے

کہنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

7. اگر قرآن میں آیا ہے کہ روؤ کثرت سے اور ہنسو کم، تو جو لوگ رونے پر اعتراض کرتے ہیں تو قرآن سے اس کا مدلل جواب ہجو نہیں کہلاتا۔ نجم نے تو اس انداز سے نہیں کہا جیسا ایک ہندو شاعر ماتھرؔ لکھنوی ۔نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا تھا؟

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر　　اور سبطِ پیمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہے تو محشر میں پیمبر سے یہ کہنا　　ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

8. حق اور باطل دونوں کو صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ آیتِ قرآنی ہے حق آیا اور باطل چلا گیا۔
ع: دیو چوں بیرون رود، فرشتہ در آید'' اہلِ بیتؑ کے دوست ہو کر ان کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتے۔ یہ شعر کسی خاص فرقہ پر نہیں۔ اس سے سخت شعر تو شورشؔ کاشمیری نے کہے تھے:

جن ظالموں نے ظلم کیا اہلِ بیتؑ پر　　قہرِ خدا سے ان کو بچایا نہ جائے گا
سن لیں مری طرف سے یزیدانِ عصرِ نو　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

9. یہ بھی شاید صحیح نہ ہو کہ نجم، اہل بیتؑ کی محبت کو شاہی کے خلاف سمجھتے تھے۔ خود نجم نے بیس بائیس سال دربار میں گزارے۔ دربار دُربار، صدق جائسی کی کتاب میں نجم کی خود داریاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اپنی متفرق نظموں میں واجد علی شاہ اخترؔ پر عمدہ نظم لکھی۔ انھیں شاہی اور حکمرانی سے بیر نہ تھا، اگر وہ عدالت اور مساوات کے ساتھ رعایا کے حق کی پائمالی نہ کرے، لیکن وہ اپنی روش اور خود داری کو بدلنا پسند نہیں کرتے تھے۔

یہ خیالِ خام ہے کس کم نظر کج فہم کا
مسندِ شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

کیونکہ

پرسشِ احوال پر جز شکر کچھ کہتے نہیں
بوریے پر بھی مزاجِ اہلِ دل شاہانہ ہے

اسلامی تاریخ گواہ ہے جمہوریت اسلامی ممالک میں صدیوں سے مفقود ہے۔ لیکن اسلامی

اقدار جو جمہوری ہیں، وہ ہمیشہ کم مگر باقی رہے، اسی لئے نجم اور دوسرے رثائی ادب کے شعرا نے ان اقدار کا ذکرِ خیر کیا ہے۔ انگریز امپیریل ازم کے باعث انھوں نے ہ اُس شخص کی مخالفت کو اپنا فریضہ بنالیا اور اہلِ بیت کی قربانی کو شہنشاہیت کے خلاف ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا، ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اقدار کے لوگ امرایت اور سرمایہ دار اور مولوی نما ساہوکار اپنی ذاتی منفعت کے لئے اگر ان کے مخالف تھے، تو اس سے ان کے مشن پر کوئی اثر نہ پڑ سکا۔

نجم کیا روکے گی یہ دنیا مجھے
میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

10. آخر میں ہم یہی کہنا پسند کریں گے جو خود ڈاکٹر نواز حسن زیدی نے اسی کتاب کے صفحہ 184 پر کہا ہے۔

''نجم آفندی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کسی رباعی میں بھی ایسی بات نہیں کہی جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ ان کے نزدیک عقیدت کا معیار یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مسلمہ معیارات کو سامنے رکھ کر حضورﷺ کی مدح کی جائے اور صحیح روایات کو بنیاد بنایا جائے، نہ کہ محض عقیدت اور جذبات میں حضورؐ سے ایسی باتیں منسوب کی جائیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے بارے میں ان کی رباعیات کسی نہ کسی آیت قرآنی کی وضاحت کررہی ہیں۔''

راقم یہاں ان جملوں کو آگے بڑھا کر یہ کہنا چاہتا ہے کہ نجم کے سلام، بلکہ تمام کلام میں بھی اسی احتیاط کو پیش نظر رکھا گیا۔ بہرحال یہ بھی محمدؐ کی آل ہے۔ یہ آلِ محمدؐ ہیں اور اہلِ بیتؑ اطہار کے شاعر نجم ہے:

موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہلِ بیتؑ کہلاتا ہے

نجم آفندی علامہ اقبال کی فکر سے بہت متاثر تھے۔ وہ قنوطی اور منجمد صوفیانہ روش کے خلاف تھے۔ وہ اقبالؔ کی طرح رسمِ شبیریؑ کے ادا کرنے پر زور دیتے تھے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

یہاں نجم کا لہجہ بے باک ہے۔ رسالت کا منصب نبھانا ہے کیونکہ ایسی شاعری جزو پیغمبری ہے۔

اے نجم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ   کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

نجم اسوۂ شبیرؑ کو انسان کی عالی اقدار کو جگانے اور سنوارنے کے لیے لازم و مفید جانتے ہیں۔ چند اشعار سلام سے اسوۂ انصار اور اسوۂ شبیرؑ پر دیکھئے:

چند لفظوں میں یہ ہے اُسوۂ انصارِ حسینؑ   وسعتِ فکر و نظر حوصلۂ عزم و عمل

بیٹھ کر مجلس میں روئے اُٹھ کے ماتم بھی کیا   اسوۂ انصار کی تقلید سے کیا کام ہے

یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے   روحِ احساس و عمل اسوۂ شبیرؑ میں ہے

ملی نہ اسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک   یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا

ذہن میں اسوۂ شبیرؑ کا معیار آئے   ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے

اُسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر   اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر

عربی، فارسی اور اردو شاعری میں کسی کا خطاب بجز نجم آفندی، شاعرِ اہل بیتؑ، نہ ہوا۔ یہ خطاب نجم آفندی کے نام کی دستار بن گیا۔ قرآن اور اہل بیتؑ کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور رہے گا۔ حدیثِ ثقلین کی رُو سے قرآنِ صامت اور قرآنِ ناطق (اہل بیتؑ) کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ رثائی ادب اور نعت گویوں نے اس مضمون پر عمدہ اشعار لکھے لیکن اس موضوع پر نجم فلک سخن پر نجم نہیں بلکہ خورشید درخشاں ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم صرف چند شعروں پر اکتفا کریں گے۔

یہ شانِ وِلا اے دلِ ناکام نہیں　　اب تک بھی اخوت کی روش عام نہیں
عترت سے محبت کا ہے دعویٰ لیکن　　آپس میں محبت کا کہیں نام نہیں

بندے جنھیں کلام ہے عترت کے باب میں　　اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں

کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا　　نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے

دامنِ آل نبیؐ ہاتھ سے چھوٹے کیوں کر　　اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی

چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے　　روحِ قرآں چھوڑ دی، الفاظِ قرآں لے گئے

قرآن جس میں اُترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں　　تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآن کے لئے

ڈاکٹر شارب ردولوی ''تنقیدی مطالعے'' میں لکھتے ہیں۔ ''سلام کے کہے جانے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں شعری نشستوں اور مشاعروں کا انعقاد عام تھا اور روز ہی اس طرح کی محفلیں کہیں نہ کہیں ہوتی رہتی تھیں، لیکن ایاّمِ عزا کے احترام میں عشقیہ شاعری یا غزلوں وغیرہ کا کہنا یا سنانا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس زمانے میں غزل کے بدل کے طور پر سلام کہے جاتے تھے اور مشاعرے کے بجائے مسالمے کی محفلیں ہوتی تھیں، اس طرح ایک طرف شعر گوئی کے جذبہ کی تسکین ہوجاتی تھی اور دوسری طرف ایام عزا کے احترام اور ثواب کا مقصد بھی پورا ہوجاتا ہے۔'' یعنی بالفاظ دیگر سلام مذہبی غزل کی شکل میں نمودار ہوا، اس لیے اس میں تغزل کی چاشنی ہے۔ امداد امام آثر نے بھی کہا تھا کہ اگر سلام کے بعض اشعار غزل میں داخل کردیے جائیں تو غزل کے اشعار سے انھیں جدا کرنا آسان نہیں۔ جو فطری شاعر ہوگا اس میں شعریت ہوگی جس کو مختلف صنفوں میں مختلف ناموں سے بیان کرسکتے ہیں۔ چونکہ سلام اور غزل کی ہیئت ایک ہی قسم کی ہے اور بعض اوقات ہر شعر علیحدہ مضمون یا غزلِ مسلسل کی طرح ایک ہی مضمون کا تسلسل

ہے، شعرا نے اپنے تغزل کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ مرزا عشق اور میر مونس کے سلاموں سے کون واقف نہیں ۔ میر انیس کے 113 سلام، مرزا دبیر کے 134 سلام، مبکی سلام نہیں، بلکہ تغزل کے عالی نمونے ہیں۔

شبیہِ امامِ زماں کھینچتے ہیں تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں
(انیس)

خاکساروں کا ہر اک دھبہ سے دامن پاک ہے گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی
(دبیر)

ان اشعار کے ہر لفظ سے تغزل ٹپک رہا ہے۔

نجم آفندی کے جملہ سلام (107) ہیں۔ ہر سلام کا ایک عنوان ہے۔ سلاموں میں کم سے کم (6) اور زیادہ سے زیادہ (26) اشعار ہیں۔ سلاموں کے کل اشعار کی تعداد (1375) ہے۔ سلاموں کے مطلعوں اور مقطعوں میں غضب کی شعریت اور جدت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل میں جب اوجؔ، عروجؔ، رشیدؔ، سلاموں میں نیا رنگ بھر رہے تھے کہیں بہاریہ مضامین اور ساقی ناموں کو داخل کیا جا رہا تھا، لیکن مجری، مجرا، سلام، سلامی، سلام علیک، جیسے الفاظ کو ترک کرنے کی ہدایت مل رہی تھی۔ اسی زمانے میں نوجوان نجم سن رہا تھا۔ چنانچہ ایسے سلام رثائی ادب میں نجم کے کلام سے داخل ہوئے اور پھر دبستانِ نجم کے نقیب بن کر کہیں شہید یار جنگ کے سلاموں کے مجموعوں پر اثر انداز ہوئے اور پھر آج جہاں کہیں بھی سلام کہے جا رہے ہیں وہ دبستانِ نجم ہی کی دین ہیں۔ مضمون کی طوالت کو دیکھتے ہوئے اس گفتگو کے آخر میں سلاموں کے کچھ اشعار مشتے نمونہ از خروار درج ہیں۔

یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں یہ دادِ وفا ہے جو دی جا رہی ہے

قتلِ اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرۂ تکبیر کے

خُلقِ عظیم سے اُسے نسبت ہو کس طرح جو قوم چھ مہینے کے بچے کو مار دے

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں دھبہ نہیں آ سکتا تطہیر کی چادر میں

مولاؑ کے غلاموں میں جبریلؑ ہیں میں بھی ہوں بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں

ضرورت ہے مصلّے کی فضا میں قوتِ دل کی مسلماں یا علیؑ کہہ نعرۂ تکبیر سے پہلے

ہم اہلِ بیتؑ کے ہیں ایسے ماننے والے کہ جن میں میثمِ تمار سا دلاور ہے

قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار مجھے یقیں ہے یہی عزمِ ہر سخن ور ہے

شرف پایا اُسی نے دفن کرنے کا پیمبرؐ کے جو واقف تھا مقامِ امتزاجِ روح و پیکر سے
ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے نبیؐ لائے تھے اپنا جانشیں اللہ کے گھر سے

قرآن میں خدا نے مودّت کہا جسے یہ بھی حسینیت کا حقیقت میں نام ہے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابن علیؑ کے نام کا

ہر بندۂ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے

کتنی مہنگی ملے دریغ نہ کر پھر بھی عزّت کی موت سستی ہے

ہشیار تو لیتے نہیں قرآں سے سبق بے ہوش کو قرآں کی ہوا دیتے ہیں

جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے　　بے ماتمِ حسینؑ سحر ہے نہ شام ہے

یہ مسلکِ حسینؑ علیہ السلام ہے　　اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ

مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب　　میرے لئے آرام کہاں دنیا میں

ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں　　علیؑ کا نام ہی کافی ہے سُن رکھے دنیا

تجم کے سلاموں کا تنقیدی جائزہ ابھی پوری طرح سے نہ ہوسکا۔

اور اگر ہوجائے تو بقول تجم:

بہت پیام ملیں گے مرے سلام میں تجم
نگاہِ غور سے نقاّد نے اگر دیکھا

○

منتخب اشعار

اگر انساں کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہو جائے　　شعورِ حریت دنیا میں عالم گیر ہو جائے
اگر منشائے فطرت خود نہ ہو کیونکر یہ ممکن ہے　　کسی کی موت کا غم اور عالم گیر ہو جائے

اللہ رے صداقت سادات کے لہو کی　　کیسا بھرا پڑا ہے اُجڑا ہوا گھرانہ

بندے جنھیں کلام ہے عترت کے باب میں　　اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں
اقرار باللسان کر اے بندۂ خدا　　رکھتا ہے الفتِ شہؑ مرداں حجاب میں
دل ہو نہ ہو زباں تو نصیری ضرور تھی　　جب منہ کھلا کنندۂ خیبر کے باب میں
تحقیق کا جنون ہے فکرِ عمل نہیں　　کیا ڈھونڈتے ہو کرب و بلا کی کتاب میں

بت لاکھ بھی توڑے کوئی حیدرؑ نہیں ہوتا　　وہ دوشِ پیمبرؐ تو میسر نہیں ہوتا
یہ شان ہوئی ختم حسینؑ ابن علیؑ پر　　اب عشق کا سجدہ تہ خنجر نہیں ہوتا
ہم گود کے بچوں کو بھی کر دیتے ہیں شامل　　جب تکملۂ قوتِ لشکر نہیں ہوتا
آسان ہے قربانی و ایثار پہ تقریر　　میدانِ عمل کچھ سرِ منبر نہیں ہوتا

پاؤں عابدؑ کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے　　پاؤں وہ پاؤں جو الجھا ہوا زنجیر میں ہے
یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے　　روحِ احساس و عمل اسوۂ شبیر میں ہے
اللہ اللہ یہ اجمالِ جمالِ قدرت　　وسعتِ کون و مکاں چادرِ تطہیر میں ہے
جس کی وحدت میں ہو قرآن کا سارا مفہوم　　ایسا نقطہ بھی کوئی کثرتِ تحریر میں ہے
ایک ہی شانِ عمل ہے وہ حسنؑ ہو کہ حسینؑ　　صلح میں بھی ہے وہی کاٹ جو شمشیر میں ہے

ایک ہی گھر چاہیے قرآن و عترت کے لئے — تنگ دل حق سے دعا کر دل کی وسعت کے لئے
یہ ترا ذوقِ عبادت اے حسینؑ ابنِ علیؑ — زیرِ خنجر بھی جگہ کرلی عبادت کے لئے
جرأتِ عباسؑ تک پہنچے گی کیا عقلِ بشر — اک نیا موقف بنایا ہے شہادت کے لئے
دل پہ ظاہر ہوگئے کیا کیا علیؑ کے مرتبے — لفظ اب ملتے نہیں اسرارِ قدرت کے لئے

جب سے قتلِ سبطِ پیغمبرؐ پہ تکبریں کہیں — گھٹ گیا اُس دن سے زورِ نعرۂ تکبیر بھی
عزمِ خالص چاہیے حُر کے ارادے کی قسم — بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

قربان ایسی موت کے جو خود ہو زندگی — پیمانۂ حیات ہے پیمانِ کربلا

یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں — یہ دادِ وفا ہے جو دی جارہی ہے

قتلِ اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے — ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرۂ تکبیر کے
قید و قتل و تشنگی و غربتِ آلِ نبیؐ — کیسے پُرغم ہیں عناصر قوم کی تعمیر کے

جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو — اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے
نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی — یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے
کہاں اک مسندِ پُر زر کہاں سجدہ تہِ خنجر — وہ دنیاوی حکومت ہے یہ دینی شہریاری ہے

خلقِ عظیم سے اُسے نسبت ہو کس طرح — جو قوم چھ مہینے کے بچّے کو مار دے
دنیا کے غم کو چھوڑ کے لے لو غمِ حسینؑ — غم ان کا ہو تو داغِ جگر بھی بہار دے

عالمِ انسانیت کو سال بھر میں ایک بار — سرحدِ روحانیت میں کھینچ کر لاتے ہیں ہم

جو حریت کی راہ بنا کر گئے حسینؑ
راہیں نکل رہی ہیں اسی شاہراہ سے

کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل
جذباتِ حریت کا جو پروردگار ہو

مقتل نہ تھا حسینؑ کا دربارِ عام تھا
ہاتھوں پہ سر لئے ہوئے اہلِ وفا گئے
سائے میں تیغِ ظلم کے سو کر اجل کی نیند
جسمِ بشر میں روحِ شرافت جگا گئے

جینے کا اختیار تھا مرنا کیا پسند
کیا جبر و اختیار پہ قدرت ہے اے حسینؑ

پڑھ کر نماز عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ
اک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے

بالا ہی رہی شانِ علیؑ ذہنِ بشر سے
دنیا نے بہت کام لیا فکر و نظر سے
مدحت کے ترانے میں بڑا وزن ہے واعظ
اک حرف ہے بھاری تری تسبیحِ گُہر سے
ہوتا نہ اشارہ جو حسینؑ ابنِ علیؑ کا
ہرگز نہ بدلتی شبِ عاشور سحر سے
روتے ہیں جو اس دور کے کشتوں کو مسلماں
وہ آنکھ ملائیں تو میرے دیدۂ تر سے
کھلتی نہیں تائید میں کیوں ان کی زبانیں
دل جن کے تڑپ جاتے ہیں ماتم کے اثر سے

لا اسئلکم کہہ کے مودّت جو طلب کی
قرآں نے رکھا تاج سرِ اہلِ ولا پر
جب میں نے دعا کی تو زیارت کی دعا کی
اللہ کی رحمت ہے مرے دستِ دعا پر

شبیرؑ کی روداد ہو فطرت کی زباں ہو
باز آئیں جو انساں تو فضا مرثیہ خواں ہو
میدان میں باطل کے لیے حجّتِ آخر
قدرت کا یہ منشا تھا کہ اصغرؑ کی زباں ہو
ہوتی ہے لطافت وہ عجب مدحِ علیؑ کی
مفہوم پہ جب خلعتِ الفاظ گراں ہو

ہجومِ غم کو ہٹاتے ہیں یا علیؑ کہہ کر
ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں
یہ مجلسیں نہیں پیمان ہیں اطاعت کے
یہ ہم حسینؑ سے قول و قرار کرتے ہیں
علیؑ کے ذکر پہ ہو یا خدا کی قدرت پر
ہم ایک سجدۂ بے اختیار کرتے ہیں

اہلِ بیتِ مصطفےٰؐ سے سیکھ شانِ خواجگی
حق کے بندے بھی رہے اور بندہ پرور ہو گئے
تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے
صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے

نگاہوں میں ہے میری بائے بسم اللہ کا نقطہ
مجھے اب کیا تکلف ہو غرورِ نکتہ دانی میں

قرآں کی بات کون سمجھتا بجز علیؑ
ہر لفظ ہے خزانۂ حکمت لیے ہوئے

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں
دھبّہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں
شبیرؑ بچالیں گے اسلام کو مٹنے سے
ان کا ہے بڑا حصّہ احساسِ پیمبرؐ میں
مولاؑ کے غلاموں میں جبرئیلؑ بھی ہیں میں بھی
بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں
قرآن ہے بے معنی عترت سے جدا ہو کر
جس گھر میں یہ آیا تھا معنی ہیں اسی گھر میں
شبیرؑ سیاست کا وہ قائدِ اعظم ہے
قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

ملبغ پہ نظر پہنچا اے ناظرِ بے پردا
قرآں اسی منزل سے کامل نظر آتا ہے
کیا جون سے رونق ہے انصارِ حسینیؑ میں
رخسارِ شہادت پر اک تل نظر آتا ہے
شاید یہ فرشتوں نے سوچا ہو شبِ ہجرت
انسان خلافت کے قابل نظر آتا ہے

حق پرستی خود شناسی ہمّت و عزم و عمل
مل کے ان اجزا سے بنتی ہے تولائے حسینؑ
روئے زیبائے پیمبرؐ رونقِ کون ومکاں
رونقِ دوشِ پیمبرؐ روئے زیبائے حسینؑ

ضرورت ہے مصلّے کی فضا میں قوتِ دل کی مسلماں یا علیؑ کہہ نعرۂ تکبیر سے پہلے
کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے
سفر میں کربلا کے گردشِ تقدیر کیا کرتی میں آگے بڑھ چکا تھا گردشِ تقدیر سے پہلے

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بنانے کی
حسینؑ فکرِ شہادت میں خود ہی تھے ورنہ کسے مجال تھی تیغِ ستم اٹھانے کی

پھر یہودی قصرِ گمنامی سے اُبھرے ہیں مگر دینِ اسلامِ خدا محرومِ خیبر گیر ہے

ہم علیؑ والوں نے پرواہی زمانے کی نہ کی مہرباں ہوکر رہا نامہرباں ہوکر رہا

دو اشک نہ ٹپکے جب آنکھوں کا بھرم کیا ہے اٹھا جو نہ ماتم کو اس ہاتھ میں دم کیا ہے
صدیوں کے برابر تھی عاشور کی اک ساعت اس دن کے مقابل میں تاریخِ اُمم کیا ہے
بخشے تو گئے ہوں گے کچھ ہم سے خراباتی تاریخ مودّت کی اے لوح و قلم کیا ہے
خاموش جو سنتے ہیں عترت کے مصائب کو ان سے یہ کوئی پوچھے تائید ستم کیا ہے

نافہم نصیری کی ادا بھاگئی دل کو میں سوچ رہا ہوں کہ یہ دولت کدھر آئی
اب ہم میں نہیں جذبۂ انصارِ حسینؑ اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی

ہم اہلِ بیتؑ کے ہیں ایسے ماننے والے کہ جن میں میثمِ تمار سا دلاور ہے
مباہلہ کی فضا بھی ہے دیدنی اے دوست اس ایک لفظ میں اس کی ثنا کا دفتر ہے
قلم کے بدلے اٹھائیں گے وقت پر تلوار مجھے یقیں ہے یہی عزمِ ہر سخنور ہے

تیرہ سو برس میں ہوئے کیا کیا نہ تغیّر کہہ دے کوئی شبیرؑ کے ماتم میں کمی ہے

اقوالِ حسینؑ ہیں عملِ غیرِ حسینؑ یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے
یہ حریتِ فکر یہ بیداریٔ اقوام اک کوششِ تقلیدِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

دیکھ کر مولاؑ علی کی شخصیت کو بے مثال مسئلہ حل ہوگیا توحید کے اقرار کا

شرف پایا اسی نے دفن کرنے کا پیمبرؐ کے جو واقف تھا مقامِ امتزاجِ روح و پیکر سے
ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے نبیؐ لائے تھے اپنا جانشیں اللہ کے گھر سے

کٹتے رہے ہیں ہاتھ بدلتے رہے ہیں دور دم بھر رکے نہ جام ولا کے شراب کے
اب لائیں گے نہ بحث میں ہم کربلا کی جنگ کب تک چلیں گے دور سوال و جواب کے

سویا علیؑ کا لال دوعالم کو جیت کر مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

دشواریوں میں بھی ہے یہ فرض زندگی کا مقصد بلند رکھنا آوازِ یا علیؑ کا
اے کربلا کے خالق عزم و عمل نے تیرے کتنا بڑھا دیا ہے معیارِ آدمی کا
قرآں حدیث دونوں ہیں ایک ہی زباں کے کیا راز کوئی سمجھے اب ربطِ معنوی کا

ہاتھ رکتے ہی نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے استفادہ کررہا ہوں موت کی تاخیر سے
جب زباں پر یا علیؑ آتا ہے فرطِ شوق میں اک سہارا چاہتا ہوں نعرۂ تکبیر سے
اک نہ اک جا خلق میں مجلس کہیں ہوگی ضرور کوئی پل خالی نہیں ہے ماتمِ شبیرؑ سے
میں نے بابُ العلم کی چوکھٹ کا بوسہ لے لیا لوگ اُدھر الجھے رہے قرآن کی تفسیر سے
یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے
اپنے خوں سے نقشِ اِلّا اللہ لکھتے کیوں حسینؑ کام چل سکتا اگر کچھ کاغذی تحریر سے

باز آجاتی اگر اُمت غمِ شبیرؑ سے — نامسلماں کرتے ماتم اور مسلماں دیکھتے
میں زباں پر بھول کر لایا نہ رازِ معرفت — یہ نصیری میرا صبر و ضبطِ پنہاں دیکھتے
اللہ اللہ کہنے والے قربِ حق کی شان میں — یا علیؑ کہتے تو یہ مشکل بھی آساں دیکھتے

عاشور کے دن ظہر کو دنیا ہوئی واقف — مومن کی نماز اور مجاہد کی دعا سے
شبیرؑ کا غم زندگیٔ فکر و نظر ہے — ملتا ہے یہاں درسِ عمل اشکِ عزا سے
مجرم ہیں یہ روکے ہوئے ہیں اجرِ رسالتؐ — وحشت جنھیں ہوجاتی ہے ماتم کی صدا سے

نبیؐ کے نور کو نہ دو آفتاب سے مثال — وہ آفتاب کا خالق ہے آفتاب نہیں
عراق تجھ پہ ہزار انقلاب آئیں مگر — تاثراتِ زیارت کو انقلاب نہیں
غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پر اثر انداز — خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں

آیۂ تطہیر کیا اعلان تھا تطہیر کا — اذن لے کر گھر میں اتری آیۂ تطہیر بھی

چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے — روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظِ قرآں لے گئے
وسعتِ اخلاقِ اسلامی کا عالم کیا کہوں — ہاتھ خالی ہیں مسلماں نامسلماں لے گئے

دامنِ آلِ نبیؐ ہاتھ سے چھوٹے کیوں کر — اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی
خونِ شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے — ایسی محکم نظر آئے گی نہ تعمیر کوئی
خاک ہوجائے نہ جاکر درِ شبیرؑ پہ خود — لے کے کیوں آتا ہے خاکِ درِ شبیرؑ کوئی

قرآن جس میں اترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں — تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآں لیے ہوئے
سینہ پہ زخمِ ماتمِ شبیرؑ دیکھ کر — اٹھے حریف دردِ نمک داں لیے ہوئے

علیؑ پرست کہو یا خدا پرست مجھے — پکارتا ہوں علیؑ کو مگر خدا کے لئے
ملے نہ ہوں گے علیؑ کو وہ ماں کی گود میں بھی — مزے جو نیند کے بستر پہ مصطفےٰؐ کے لئے

ملتی نہیں جہاں میں علیؑ کی مثال بھی — ہم نے تو یہ سنا تھا خدا بے مثال ہے
حاشا میں ہم نوائے نصیری نہیں مگر — جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ذرا حسبِ حال ہے

پھر حشر ہے جو ذوقِ عمل ہوگیا کہیں — اب تک غمِ حسینؑ بحدِ خیال ہے

ہے یزید کاری بھی اُسوۂ حسینیؑ بھی — زندگی اندھیرا ہے زندگی اُجالا ہے
جب حسینؑ آئے ہیں منزلِ شہادت میں — کلمۂ شہادت کا جب سے بول بالا ہے

آج دن ہے عشرہ کا خونِ آدمی کیسا — آج آدمیت کا خون ہونے والا ہے

کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق — کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے

حسینیتؑ سے جہاں انتساب ہو نہ سکا — شعورِ درد کبھی کامیاب ہو نہ سکا
یہ اتحادِ عمل تھا کہ مرتضیٰؑ کے سوا — کسی کا نفسِ پیمبرؐ خطاب ہو نہ سکا
ملی نہ اسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک — یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا

نظر ڈالے ذرا پستی پہ اپنی — وہ ملّت جس کو نازِ کربلا ہے
خبر بھی ہے تجھ ہمنامِ عباسؑ — کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

قسم کھاتا ہوں تیرہ سو برس کے دورِ ماتم کی — تیری چھ ماہ کی ہے عمر عمرِ خضر سے بہتر
مجھے نادان کہنا سادگی ہے فکرِ شاعر کی — نظر انداز کردینا اسے اے غم کے پیغمبرؐ

دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے — یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے

قرآن میں خدا نے مودّت کہا جسے — یہ بھی حسینیت کا حقیقت میں نام ہے
شاعر ہوں اس کے در کا میں اے شاعرانِ دہر — جس کا ہر ایک لفظ خدا کا کلام ہے

ظہر کو سجدوں میں تھے سر عصر کو نیزوں پہ تھے — روزِ عاشورہ نے دیکھی شانِ انصارِ حسینؑ
ڈوبتے سورج سے پوچھا یہ اُبھر کے چاند نے — کب سے ریگِ گرم پر رکھتے ہیں رخسارِ حسینؑ

عباسؑ اک ایسی ہستی تھی عباسؑ اک ایسی ہستی ہے — اونچا کبھی جس کے پرچم سے معیار وفا کا ہو نہ سکا
انسان کی حد سے آگے ہے شبیرؑ کی راہِ فکر و نظر — ہر قوم میں جس کا ماتم ہو انساں کوئی ایسا ہو نہ سکا

تاجدارِ کربلائے عشق ہیں سبطِ نبیؐ — اشک و آہ و مجلس و ماتم سپاہِ عشق ہے

دشمن ہیں تیغ و تیر کی طاقت لیے ہوئے — شبیرؑ ہیں مزاجِ نبوت لیے ہوئے
قرآن کی زبان بھی ہوتی نہ مستند — آتا اگر نہ حرفِ مودّت لیے ہوئے

اسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر — اٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا — کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابنِ علیؑ کے نام کا

ذہن میں اسوۂ شبیرؑ کا معیار آئے — ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے
علیؑ اللہ کہے کوئی اگر مستِ ولا — قطع کر دوں جو زباں پر مری انکار آئے
جو بعنوان تجارت ہو محبت کیسی — کتنے مجلس میں بھی جنت کے خریدار آئے

اثر شہادتِ عظمیٰ کا جاودانی ہے — غمِ حسینؑ ہے باقی جہان فانی ہے

علیؑ کی مدح سے کیا دل بھرے گا دو دن میں　　یہ سُن رہا ہوں کہ دو دن کی زندگانی ہے
اب تک ہے تردّد جنھیں لولاک لما پر　　وہ چیں بہ جبیں ہیں مرے اندازِ ثنا پر
چھوڑی نہ کسی حال میں بھی تعزیہ داری　　ہر حال میں بیٹھے رہے ہم فرشِ عزا پر

تیری مدحت کے جادے پر یہ فکرِ نجم کی حد ہے　　حق آگاہی تیری منزل ید الٰہی ترے تیور

تقلید میری ہوتی ہے اہلِ سخن میں نجم　　چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

نجم ہم نے مدحِ اہلِ بیتؑ کے ہر شعر میں　　فاضلِ طینت کی فطرت کو نمایاں کردیا

اُن کی نعلینِ مبارک میرے سر آنکھوں پہ نجم　　تاجداروں سے ہیں برتر کفش بردارِ حسینؑ

حاجی ہو کوئی حافظِ قرآں ہو کوئی نجم　　کچھ بھی نہیں علیؑ سے محبت اگر نہیں

نجم تیرہ سو برس سے آج تک قبرِ حسینؑ　　معبدِ اہلِ وفا ہے سجدہ گاہِ عشق ہے

اک طرف ارضِ نجف اک سمت ارضِ کربلا　　نجم لہریں لے رہا ہے کیا مقدّر دیکھئے

شعورِ مدح بزرگوں کا فیض ہے اے نجم　　زہے نصیب یہ اعزاز خاندانی ہے

ڈوبا ہوا اے نجم جو ہو عشقِ علیؑ میں　　دنیا میں اسے کیا خبرِ سود و زیاں ہو

صلہ میں خلد وہ دیں گے تو نجم کہہ دیں گے　　تمھارے نقشِ قدم پر نثار کرتے ہیں

خود پرستی رفتہ رفتہ حق پرستی بن گئی ۔۔۔ نجم آخر شاعرِ آلِ پیمبرؑ ہو گئے

مقدس بانکپن اے نجم میرے تاجِ مدحت کا ۔۔۔ کلاہِ خسروی میں ہے نہ دیہیمِ کیانی میں
اے نجم میں شاعر ہوں سرکارِ امامت کا ۔۔۔ نظمیں مری پہنچیں گی دربارِ پیمبرؑ میں

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربارِ حسینؑ کا ۔۔۔ نجم اپنی حقیقت سے غافل نظر آتا ہے

اے نجم بیٹھتے ہو اب کیا سنبھل سنبھل کر ۔۔۔ آثار کہہ رہے ہیں اٹھنے کا ہے زمانہ

رفعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے نجم ۔۔۔ کھیلی ہے فکرِ دامنِ برق و سحاب میں

اے نجم جبیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی ۔۔۔ میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا

نجم میں ہوں شاعرِ بزمِ حسینؑ ابنِ علیؑ ۔۔۔ میرا نغمہ ہے فقط سازِ حقیقت کے لیے

نجم شاعر ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کے در کا ۔۔۔ اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی

کب دیکھے طلب ہو دیارِ حسینؑ سے ۔۔۔ بیٹھے ہیں نجم نذرِ دل و جاں لیے ہوئے

جنابِ نجم مقصد اور بھی کچھ ہے شہادت کا ۔۔۔ سُنا ہے قوم اب مقصد سے محروم ہوتی جاتی ہے

ابھی نجم کچھ اور نوحے سناؤ ۔۔۔ ذرا قوم کی بے حسی جاری ہے

نجم ہم کو عیشِ فردوسِ تولّا ہے بہت ۔۔۔ ہم تمنائی نہیں فردوس کی جاگیر کے

نجم کتنے کام مداحانِ اہل بیتؑ کے
بے بنائے رنگ لائے بے سنوارے بن گئے

نجم اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے
زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا

اے نجم میری فکر کی اللہ ری ہمتیں
چاہوں تو بامِ عرش سے تارے اُتار دے

نجم اپنی زندگی ہے وقفِ مدحِ اہلِ بیتؑ
شاعرِ سرکارِ اہلِ بیتؑ کہلاتے ہیں ہم

انساں حسینیتؑ کو سمجھے گا نجم اک دن
جوہر نہ یہ ملیں گے دنیا کی خاک چھانے

اے نجم یہی شاید عنوانِ سفارش ہو
امید تو ہے اتنی آقا کی تولاّ سے

کس سے پوچھوں کہ سمجھتے ہیں وہ شاعر اپنا
نجم کا نام بھی فہرست میں لکھا دیکھا

قیامت ہیں نجمی کے پُردرد نوحے
عزادار کا دل ہلا دینے والے

نجم دنیا آلِ پیغمبرؐ کی دشمن ہی رہی
دل پہ کیا کیا داغ اُمت کے نگہباں لے گئے

میں نجم اپنا فرض سمجھتا ہوں منقبت
ناداں ہے دل جزا کا جو امیدوار ہو

شاعر ہیں اہل بیتِ رسالتؐ پناہ کے
اٹھا یہ شور نجم جو مجلس میں آ گئے

جس در کے فقیروں میں بشر بھی ہیں ملک بھی
ہاتھ اپنے وہیں نجم بھی پھیلائے ہوئے ہیں

نجم کہیں ہمارے بعد اہل عزا یہ نہ کہیں　　نجم کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا

تھے نجم خوش نصیب کہ ذکرِ حسینؑ پر　　روحی فداک کہہ کے جہاں سے گزر گئے

نجم ہمیں نزع میں صرفِ عزا دیکھ کر　　موت بھی کچھ دیر کو در پر ٹھہر جائے گی

جنابِ نجم یہ عزلت گزینیاں کب تک　　یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لیے

بہرِ نجات نجم کہوں کیوں حسینؑ سے　　شاعر ہوں اہلِ بیتؑ کا صورت سوال ہے

اب جلد آستانے پہ اپنے بلایئے　　کب تک جئے یہ نجم گناہگار آپ کا

نجم ہو اگر نسبت اسوۂ حسینیؑ سے　　ایک شعر مدحت میں خلد کا قبالا ہے
اجل جب چاہے منہ پر مُہر کردے　　علیؑ کا نام دل پر لکھ گیا ہے

بن گئی انساں کا معبدِ زمینِ کربلا　　نجم جب عزم وعمل کی زندگی لائے حسینؑ

عطا کی میرزائی نجم کو پھر مدح کی نعمت　　کیا ممتاز قدرت نے زبانِ میرؔ سے پہلے

نجم شاعر ہے علیؑ کا سب سے کمتر ہی سہی　　نکتہ داں ہوکر سدھارا نکتہ داں ہوکر رہا

مدحت کی جوانی ہے پیری ہی سہی میری　　احباب نہ یہ سمجھیں اب نجم میں دم کیا ہے
اردو میں ہے اے نجم مری نغمہ سرائی　　نغمہ عجمی اور نہ لہجہ عربی ہے

اے نجم منقبت ہو اس وقت بھی زباں پر — جب نزع کی ہو ساعت عالم روا روی کا

کربلا کی راہ میں حائل ہیں کتنی مشکلیں — نجم پہنچے لڑتے بھڑتے گردشِ تقدیر سے

اسرارِ حقیقت مرے افکار ہیں اے نجم — تفسیر مرے شعر کی پوچھو عرفا سے

حسینؑ سے جو عقیدت ہے اہلِ ہند کو نجم — فضائے دہر میں اس کا کہیں جواب نہیں

میں ہوں کلیمِ طور ثنائے علیؑ کا نجم — انداز ہیں کلام میں نقشِ دوام کے

نجم کیا معلوم کس کا شعر انھیں آئے پسند — مدحِ اہلِ بیتؑ پر نازش خیالِ خام ہے

سب سے کم رتبہ سہی لیکن یہ رتبہ کم نہیں — نجم بھی تیرے ثنا خوانوں میں شامل ہے حسینؑ

ممدوح ہی واقف مری نیت سے ہیں اے نجم — دنیا میں ہے شہرت مری آشفتہ سری کی

آئیں جب امامِ عصرؑ ان سے یہ کہے کوئی — نجم زار انتظار دیکھتا چلا گیا

یہاں تحفظِ انسانیت کا ہے یہ سوال — زبانِ سبطِ نبیؐ پر سوالِ آب نہیں
وہ عصرِ تنگ کی منزل وہ عظمتِ شبیرؑ — یہ وہ فضا ہے جہاں کوئی ہم رکاب نہیں

بیٹھے نصیریوں میں بھی ہم صوفیوں میں بھی — ذکرِ علیؑ کہیں بھی ہو عاشق ہیں نام کے
آتی ہے اور مدح سرائی میں کیفیت — جتنے حریف بڑھتے ہیں اس دورِ جام کے

عجب کیا کربلا دردِ دلِ جمہور ہو جائے یہ غم ہر مملکت میں شاملِ دستور ہو جائے
بشر جس کو غرورِ عشق سے تسکین حاصل ہو وہ سر رکھ کر نجف کی خاک پر مغرور ہو جائے
لگا رکھی ہے لو شمعِ شبستانِ رسالتؐ سے نہ جانے کب چراغِ زندگی بے نور ہو جائے

دُور ہیں حبِّ عمل سے جب تک اربابِ عزا دیکھنے کے ہیں یہ آنسو غم برائے نام ہے
بیٹھ کر مجلس میں روئے اٹھ کے ماتم بھی کیا اسوۂ انصار کی تقلید سے کیا کام ہے
فکرِ شاعر کی خطا ہے فن پہ کیا الزام ہے شاعری اس دور میں لفظوں کا قتلِ عام ہے

فہرست سلام

محرم کا زمانہ

دلوں پر غم کا بادل چھا گیا ہے — محرم کا زمانہ آگیا ہے
ستارے اشکِ ماتم بن گئے ہیں — چمن میں روئے گل سنولا گیا ہے
جو بس چلتا اندھیرے ہی میں رہتا — نکل کر چاند بھی شرما گیا ہے
زمیں پر پڑگئی ہے اوس جیسے — پسینہ سا جبیں پر آگیا ہے
علیؑ کا لال یثرب کا مسافر — سفر میں اپنا مقتل پا گیا ہے
زمینِ گرم پر ہے جس کا تکیہ — نبیؐ کے دوش پر دیکھا گیا ہے
لبِ ساحل سے خیمے اُٹھ چکے ہیں — کنارِ نہر سے پیاسا گیا ہے
جو آئینہ تھا روئے سیدؑہ کا — وہ چہرہ پھول سا کملا گیا ہے
ہوا دیتی ہے پرچم کو جلالت — عَلَم خیمے سے باہر آگیا ہے
صدا کچھ بڑھ گئی ہے العطش کی — سنی ہے جس نے وہ تھرا گیا ہے
یہ اک نوحہ سا خیمہ سے نکل کر — دلِ اہلِ وفا تڑپا گیا ہے
نبیؐ زادوں کے رنجِ تشنگی میں — علم ساحل پہ بل کھاتا گیا ہے
ہزاروں ہیں اُدھر لیکن اِدھر سے — گیا ہے جو کوئی تنہا گیا ہے
ابھی آئی ہیں لاشیں بھانجوں کی — ابھی بھائی ابھی بیٹا گیا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کا استغاثہ — ہر اِک ذرہ کا دل برما گیا ہے
علی اصغرؑ کو اِک تیرِ سہ پہلو — ابھی تو خون میں نہلا گیا ہے
ابھی آقا گئے ہیں زیرِ خنجر — رضائے حق کا پیغام آگیا ہے

اندازِ ماتم

محرم میں مسرت خود بخود کم ہوتی جاتی ہے
زمانہ کی فضا آمادۂ غم ہوتی جاتی ہے
لہو کے گرم قطرے اشکِ پیہم بنتے جاتے ہیں
دلوں کی بیقراری صَرفِ ماتم ہوتی جاتی ہے
حسینی کارواں نزدیکِ منزل آتا جاتا ہے
جو دنیا دین کے ہمراہ تھی کم ہوتی جاتی ہے
کمی منزل بہ منزل دیکھتے ہیں سبطِ پیغمبرؐ
مگر تجویز قربانی کی محکم ہوتی جاتی ہے
شبِ عاشور کیا فرما رہے ہیں سرورِ عالم
سکوں پرور دلوں میں شدتِ غم ہوتی جاتی ہے
اُدھر خاموش ہوکر رہ گئی ہے شمع خیمہ میں
فلک پر روشنی تاروں کی مدھم ہوتی جاتی ہے
بہت آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں لحنِ اکبرؑ سے
اذاں میں شرکتِ اندازِ ماتم ہوتی جاتی ہے
پیامِ مرگ ہے اب اور انصارِ حسینؑ ہیں
بلاوے آرہے ہیں بزم برہم ہوتی جاتی ہے
قیامت ہے کہ وقتِ عصر زیرِ تیغ آئے گی
وہ گردن جو خدا کی راہ میں خم ہوتی جاتی ہے
بہت شب ہوگئی معصوم بچے سوگئے شاید
صدائے العطش خیمے میں مدھم ہوتی جاتی ہے
اسی غم میں کہ مہمانوں کو پانی تک نہیں ملتا
فرات اِک قلبِ مضطر چشم پُرنم ہوتی جاتی ہے

جنابِ تجمؔ مقصد اور بھی کچھ ہے شہادت کا
سُنا ہے قوم اب مقصد سے محرم ہوتی جاتی ہے

○

شایانِ کربلا

تجھ کو سلام رفعتِ ایوانِ کربلا
تجھ پر درود جلوۂ جانانِ کربلا
اے بوے مشک پیکرِ عنبر مزاج گل
اے لالہ زارِ صبر گلستانِ کربلا

اے سجدہ گاہِ انجم و مہتاب و آفتاب — سجادۂ ریاضت سلطان کربلا
اے مسندِ جمالِ رئیسانِ ہاشمی — اے منزلِ جلالِ شہیدانِ کربلا
اے ارضِ کربلا یہ تیری شان کیوں نہ ہو — کس کا لہو ہے شاملِ ایوانِ کربلا
منظر بدل گیا جو ورودِ حسینؑ سے — کیا دیدنی تھی صورتِ حیرانِ کربلا
تیار کربلا تھی پہنچتے جہاں حسینؑ — ہمراہ تھا حسینؑ کے سامانِ کربلا
سنتے ہیں نیند آگئی سجدے میں وقتِ عصر — جاگا ہوا تھا راتوں کا مہمانِ کربلا
وہ خاک وخوں کی مسندِ راحت پہ محوِ خواب — سلماں کا افتخار سلیمانِ کربلا
وہ لاش نور پاش دھندلکے میں شام کے — وہ غم کی شام زلفِ پریشانِ کربلا
سایہ کیا طیور نے بیکس کی لاش پر — آئے نہ دفن کرنے کو انسانِ کربلا
زیرِ زمین ہے اکبرؑ و قاسمؑ کا حسن بھی — دو جسمِ نازنیں ہیں دل و جانِ کربلا
مسلم کے لال زینبؑ مضطر کے لختِ دل — سردے کے بن گئے گل و ریحانِ کربلا
اس تشنہ لب کی پیاس پہ صدقے حیاتِ قوم — سقہ تھا جس کا شیرِ نیستانِ کربلا
رُلوا رہا ہے قوم کو صدیوں سے آج تک — چھ ماہ کا وہ کشتۂ پیکانِ کربلا
ندی چڑھی جو خون کی منہ اور اتر گیا — پہلے ہی کچھ عجیب تھا عنوانِ کربلا
عالم فدائے حاصلِ خونابۂ جگر — ملت نثارِ فاتحِ میدانِ کربلا
لاکھوں ہی اولیاء تھے ہزاروں ہی انبیاء — نکلے مگر حسینؑ ہی شایانِ کربلا
للہ اپنی قوم کے حالِ زبوں کو دیکھ — اے کائناتِ حُسن بہ دامانِ کربلا
یہ غمکدے تھے آلِ پیمبرؐ کے واسطے — زندانِ شام و کوفہ، بیابانِ کربلا
قربان ایسی موت کے جو خود ہو زندگی — پیمانۂ حیات ہے پیمانِ کربلا
روضہ ہے یا منارۂ عظمت ہے قوم کا — صل علیٰ جبینِ درخشانِ کربلا
چہرہ پہ خوں ملے ہوئے بالیں پہ تو بھی تھا — اے ماہِ آسمان و گریبانِ کربلا
پہچاننا محال ہو اب اُس نگاہ کو — دیکھا تھا جس نے پیکرِ بے جانِ کربلا
مل جائے اِس دور میں دو گز زمیں کہیں — للہ جسم پر ہو یہ احسانِ کربلا

اکبرؑ کی جوانی

اَجل کا سامنا ہے اور اکبرؑ کی جوانی ہے
اس اٹھارہ برس والے نے بھی مرنے کی ٹھانی ہے

سنا ہے تین دن گزرے نہ کھانا ہے نہ پانی ہے
مگر اِس شیر کے چہرے کی رنگت ارغوانی ہے

دلِ صبر آزما کا ہوچکا دنیا کو اندازہ
ذرا اَب دستِ ہمت کی بھی طاقت آزمانی ہے

عطش ہے دھوپ ہے میداں کی نیزے اور خنجر ہیں
مسلمانوں میں ہم شکلِ نبیؐ کی مہمانی ہے

لبِ کوثر انہیں دادا سے جامِ آب لینا ہے
پیمبرؐ کو لہو میں ڈوب کر صورت دکھانی ہے

قیامت تک نہ مرجھائیں گے جو گل یا کھلائے ہیں
انہیں اپنے ہی زخموں سے ابھی جنت بنانی ہے

انہیں پینا ہے شربت کی طرح آبِ دمِ خنجر
رگِ دل میں اسی دن کیلئے خوں کی روانی ہے

علیؑ اکبرؑ کا مرنا مجلسِ ماتم بنا دے گا
بہت خوش وضع ہے عالم بہت دنیا سہانی ہے

قیامت ہے کسی کا جان دینا اِس جوانی میں
زمیں سے آسماں تک سب جوانی ہی جوانی ہے

کوئی آساں نہیں تیروں میں سینہ تان کر جانا
یہ پشتینی سپاہی ہیں یہ جذبہ خاندانی ہے

دمِ آخر لہو کے فرش پر انگڑائیاں لیں گے
اجل سے بھی انہیں کچھ دیر طاقت آزمانی ہے

بدل دے گی فضائے دہران کی آخری کروٹ
جہاں تک جان باقی ہے وہاں تک جانفشانی ہے

کلیجہ میں سناں، ریتی پہ لاشہ، سر ہے برچھی پر
بڑی پُر درد یارب کربلا والی کہانی ہے

ابھی تک قوم میں ہے قلتِ ذوقِ عمل باقی
جناب نجم کیسی نوحہ گوئی نوحہ خوانی ہے

دادِ وفا

یہ کس پر چھری تیز کی جا رہی ہے — زمیں کربلا کی ہلی جا رہی ہے
بہت مضطرب چاند ہے آسماں پر — بہت مضمحل چاندنی جا رہی ہے
چمن زرد ہے پھول سنولا گئے ہیں — ستاروں کی تابندگی جا رہی ہے
دماغوں کے روشن دیے بجھ گئے ہیں — مہ و مہر سے روشنی جا رہی ہے
پُر آشوب ہیں شام و کوفہ کی نظریں — خیالوں سے پاکیزگی جا رہی ہے
سدھاری وہ اخلاق کی سر بلندی — وہ اسلام کی سروری جا رہی ہے
نئی شرع ترتیب دیتی ہے دنیا — نئی قوم تشکیل کی جا رہی ہے
شرافت کی آنکھوں میں اشک آگئے ہیں — محبت کی گردن ڈھلی جا رہی ہے
یہ دینِ خدا پر چڑھائی ہے کیسی — یہ کس سمت دنیا چلی جا رہی ہے
صدا دی ہے ملت نے سبطِ نبیؐ کو — کہ تعمیرِ ملت گری جا رہی ہے
گلے کٹ رہے ہیں لہو بہہ رہا ہے — یہ بنیاد مضبوط کی جا رہی ہے
مسافر پہ ہے بند دو دن سے پانی — شقاوت کی ندی چڑھی جا رہی ہے
کہاں تشنگی اور کہاں حلقِ اصغرؑ — بڑی دور تک تشنگی جا رہی ہے
خدا را شبیہِ پیمبرؐ کو روکو — پیمبرؐ کی تصویر بھی جا رہی ہے
بہت زخم کھائے ہیں قاسمؑ نے لیکن — نگاہوں میں سج دھج کھبی جا رہی ہے
بہت کم یہ رونق رہی کربلا میں — ابھی آرہی تھی ابھی جا رہی ہے
علمدارؑ کی گرم رفتاریوں پر — شجاعت بھی خود جھومتی جا رہی ہے
وہ ماتم کا طوفان ہے علقمہ میں — ہر اک موج سر پیٹتی جا رہی ہے
تعجب نہیں ماں جو اصغرؑ سے پوچھے — سواری کہاں آپ کی جا رہی ہے
خبر آفتابِ رسالتؐ کو دے دو — کہ شمعِ امامت بجھی جا رہی ہے

ادا ہو رہا ہے خراجِ مودّت　　یہ زنداں میں آلِ نبیؐ جارہی ہے
وہ محکم ہے تقریرِ بیمارِ غم کی　　کہ نبضِ حکومت چھٹی جارہی ہے
ابھی تک یہ مظلومیت کی کہانی　　کہی جارہی ہے سنی جارہی ہے
سمجھ لے گی وہ بھی غمِ کربلا کو　　جو دنیا ابھی اجنبی جارہی ہے
یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں　　یہ دادِ وفا ہے جو دی جارہی ہے
ابھی تجم کچھ اور نوحے سُناؤ
ذرا قوم کی بے حسی جارہی ہے

○

وفائے عہد

مرحلے آساں نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ کے　　درد والے دِل دُکھا دیتے ہیں سینہ چیرے کے
گھر بنا کر دل میں اِنکا غم نکلتا ہے کہیں　　پھر ہنستے ہیں کہیں مارے ہوئے تاثیر کے
بانیٔ اسلام اسلامی حمیّت دیکھ لے　　کتنے زخم آئے ہیں سینہ پر تری تصویر کے
قتل اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے　　ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرہ تکبیر کے
قید و قتل و تشنگی و غربتِ آلِ نبیؐ　　کیسے پُرغم ہیں عناصر قوم کی تعمیر کے
کربلا والے وفا کے عہد میں مارے گئے　　یہ جَری کشتے نہیں ہیں نیزہ و شمشیر کے
ہائے سرور کی ضعیفی ہائے اکبرؑ کا شباب　　ہائے وہ برچھی جو نکلی تھی کلیجہ چیر کے
امرِ خالق اور تھا ورنہ الٹ دیتے زمیں　　چھوٹے چھوٹے دونواسے شاہِ خیبر گیر کے
دستِ نازک وہ جو رستہ روکدیں طوفان کا　　گردنیں جو پھیردیں منہ خنجر و شمشیر کے
تیرے دم سے جی اُٹھی مرتی ہوئی انسانیت　　زندہ باد اپنے گلے پر لینے والے تیر کے

ہائے وہ بازو تصدق جن پہ کرنیں چاند کی — ہار بن کر رہ گئے جو گردنِ شبیرؑ کے
ہائے عاشورِ محرم ہائے شامِ قیدِ غم — آج بے پردہ ہیں وارث چادرِ تطہیر کے
سالکِ راہِ رضا ہیں ورنہ سجادؑ حزیں — ایک انگڑائی میں حلقے توڑ دیں زنجیر کے
کوفہ و زندانِ کوفہ خانۂ حارث، فرات — کیا یتیموں پر ستم تھے گردشِ تقدیر کے
ہل گیا بیمار کے خطبہ سے دربارِ یزید — دل بہت تڑپا کیے نشتر لگے تقریر کے
سختیِ راہِ عمل سے بہرہ ور ہیں ملتیں — سامعہ صدقے تیرے پیغامِ عالمگیر کے
نجمؔ ہم کو عیشِ فردوسِ تولّا ہے بہت — ہم تمنائی نہیں فردوس کی جاگیر کے

حُسنِ عمل

کربلا والے غریبوں کے سہارے بن گئے — آسمانِ حریت کے چاند تارے بن گئے
کاروانِ ظلم نے اٹھوا دیے خیمے تو کیا — تشنہ کاموں کے محل دریا کنارے بن گئے
اپنی جانیں دے کے غیروں کو بھی اپنا کرلیا — فاطمہؑ کے لال ہر ملت کے پیارے بن گئے
سب شہیدِ کربلا بے امتیازِ نسل و رنگ — بانیِ اسلام کی آنکھوں کے تارے بن گئے
زندگی بھر دیدۂ و دل میں کھٹکتے ہی رہے — تیر و نشتر ماں کو اصغرؑ کے اشارے بن گئے
آئے یوں عون و محمد اپنے خون میں ڈوب کر — اور بھی خوش وضع بی بی کے دُلارے بن گئے
ہائے وہ شیروں کا مقتل ہائے ارضِ نینوا — جس کے ویرانے بھی فردوسی نظارے بن گئے
ماتمِ شبیرؑ کی جنت طرازی دیکھنا — غنچہ و گل اپنی آہوں کے شرارے بن گئے
ملتیں کتنی ہیں ماتم دارِ شاہِ کربلا — کتنی قوموں کے ولی مولاؑ ہمارے بن گئے
نجمؔ کتنے کام مدّاحانِ اہلِ بیتؑ کے — بے بنائے رنگ لائے بے سنوارے بن گئے

کارِنبوت

پیکرِ اسلام میں اِک روحِ تازہ بھر گیا
ساری ملت کو جگا کر مرنے والا مر گیا

جس پہ گذرا ہے یہ عالم اس کے دل سے پوچھیے
کس طرح چھوڑا مدینہ کربلا کیونکر گیا

جان دی شبیرؑ نے اسلام کی تکمیل میں
یہ امامِ اہلِ دل کارِ نبوت کر گیا

عصر تک اولادِ پیغمبرؐ کی قربانی ہوئی
ظہر تک انصار کی لاشوں سے خیمہ بھر گیا

جیسے کوئی زندگی کی گود کا پالا نہ تھا
یوں اجل کے سامنے ایک اک وفا پرور گیا

موت بھی شرما گئی قاسمؑ کی سج دھج دیکھ کر
جنگ کے میداں میں جب یہ آئینہ پیکر گیا

مشک بھر کر نہر سے نکلا تھا عباسِؑ جری
آبِ دریا دوش پر تھا اور پیاسا مر گیا

علقمہ سے کون پہنچائے سکینہؑ کو خبر
علقمہ تک جس کو جانا تھا لبِ کوثر گیا

کتنے دن گزرے تھے پیغمبرؐ کو دنیا سے گئے
چار دن کے بعد ہی ہم شکلِ پیغمبرؐ گیا

مُہر فطرت نے لگادی دفترِ ایثار پر
اپنا جھولا چھوڑ کر میداں میں جب اصغرؑ گیا

وعدہ گاہِ نینوا نے ساری دولت لوٹ لی
فاطمہؑ کا لال بھی آخر تہِ خنجر گیا

ایک دن جو دوشِ پیغمبرؐ پہ تھا اس پر سلام
اس کو مجرا ایک دن نیزے پہ جس کا سر گیا

آسماں یہ ظلمِ گیتی دیکھتے ہی رہ گئے
چاند کو نیزے پہ رکھ کر شام کا لشکر گیا

کربلا سے پھیر کر منہ جائیں گے مسلم کہاں
کربلا کی راہ پر اسلام کا رہبر گیا

ایک ہیبت اک خموشی تھی زمیں پر حکمراں
سر بکف سجدہ میں جب وہ خاصۂ داور گیا

بھیج اب خضرا سے یارب وارثِ شبیرؑ کو
بس کر اے ابرِ کرم اشکوں سے دامن بھر گیا

نجم اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے
زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا

○

شہریاری

بہت سجادؑ کو ملت کی فکرِ رستگاری ہے / تری زنجیر سے جلاد یہ زنجیر بھاری ہے
شہیدِ ظلم کا ماتم ہے غم ہے سوگواری ہے / یہ وہ انسان ہے انسانیت جس نے سنواری ہے
جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو / اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے
خدا کی راہ میں چھوڑی سکینہؑ کی محبت بھی / سکینہؑ جو حسینؑ ابن علیؑ کو سب سے پیاری ہے
نبیؐ کا لاڈلا ہے آج مالک دین و دنیا کا / حریفِ دینِ حق سمجھے تھے اب دنیا ہماری ہے
نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی / یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے
تڑپتے ہیں وہ ذرّے جن پہ برسا تھا لہو اُسکا / ابھی وہ خاک زندہ ہے ابھی وہ خون جاری ہے
ارے قربانیوں کا سلسلہ جھولے تک آ پہنچا / علی اکبرؑ سدھارے اَب علی اصغرؑ کی باری ہے
بدن کے داغ کیا گنتے ہو اس کے داغِ دل دیکھو / حکومت اسکی قائم ہے یہ سکہ اسکا جاری ہے
مسلماں سر لیے جاتے ہیں سوئے شام نیزے پر / سوارِ دوشِ پیغمبرؐ کی یہ آخر سواری ہے
گلے کٹوا دیے عترت نے قرآں کی حفاظت میں / یہ روحِ اتحادی ہے یہ شانِ ورثہ داری ہے
کہاں اک مسندِ پُرزر کہاں سجدہ تہِ خنجر / وہ دنیاوی حکومت ہے یہ دینی شہریاری ہے
کہاں تک جینے والے صبر کرتے مرنے والوں کا / شہیدوں میں سکوں ہے قیدیوں میں بیقراری ہے

بلالیں شاید آقا کربلا میں موت سے پہلے
ابھی اے نجم کچھ امید ہے امیدواری ہے

کارِ نبوت

پیکرِ اسلام میں اِک روحِ تازہ بھر گیا
ساری ملت کو جگا کر مرنے والا مرگیا

جس پہ گذرا ہے یہ عالم اس کے دل سے پوچھیے
کس طرح چھوڑا مدینہ کربلا کیونکر گیا

جان دی شبیرؑ نے اسلام کی تکمیل میں
یہ امامِ اہلِ دل کارِ نبوت کر گیا

عصر تک اولادِ پیغمبرؐ کی قربانی ہوئی
ظہر تک انصار کی لاشوں سے خیمہ بھر گیا

جیسے کوئی زندگی کی گود کا پالا نہ تھا
یوں اجل کے سامنے ایک اک وفا پرور گیا

موت بھی شرما گئی قاسمؑ کی سج دھج دیکھ کر
جنگ کے میداں میں جب یہ آئینہ پیکر گیا

مشک بھر کر نہر سے نکلا تھا عباسِؑ جری
آبِ دریا دوش پر تھا اور پیاسا مرگیا

علقمہ سے کون پہنچائے سکینہؑ کو خبر
علقمہ تک جس کو جانا تھا لبِ کوثر گیا

کتنے دن گزرے تھے پیغمبرؐ کو دنیا سے گئے
چار دن کے بعد ہی ہم شکلِ پیغمبرؐ گیا

مُہر فطرت نے لگا دی دفترِ ایثار پر
اپنا جھولا چھوڑ کر میداں میں جب اصغرؑ گیا

وعدہ گاہِ نینوا نے ساری دولت لوٹ لی
فاطمہؑ کا لال بھی آخر تہِ خنجر گیا

ایک دن جو دوشِ پیغمبرؐ پہ تھا اس پر سلام
اس کو مجرا ایک دن نیزے پہ جس کا سر گیا

آسماں یہ ظلمِ گیتی دیکھتے ہی رہ گئے
چاند کو نیزے پہ رکھ کر شام کا لشکر گیا

کربلا سے پھیر کر منہ جائیں گے مسلم کہاں
کربلا کی راہ پر اسلام کا رہبر گیا

ایک ہیبت اک خموشی تھی زمیں پر حکمراں
سربکف سجدہ میں جب وہ خاصۂ داور گیا

بھیج اب خضرا سے یارب وارثِ شبیرؑ کو
بس کر اے ابرِ کرم اشکوں سے دامن بھر گیا

نجم اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے
زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا

شہریاری

بہت سجادؑ کو ملت کی فکرِ رستگاری ہے
تری زنجیر سے جلاد یہ زنجیر بھاری ہے

شہیدِ ظلم کا ماتم ہے غم ہے سوگواری ہے
یہ وہ انسان ہے انسانیت جس نے سنواری ہے

جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو
اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے

خدا کی راہ میں چھوڑی سکینہؑ کی محبت بھی
سکینہؑ جو حسینؑ ابن علیؑ کو سب سے پیاری ہے

نبیؐ کا لاڈلا ہے آج مالک دین و دنیا کا
حریفِ دینِ حق سمجھے تھے اب دنیا ہماری ہے

نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی
یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے

تڑپتے ہیں وہ ذرّے جن پہ برسا تھا لہو اُسکا
ابھی وہ خاک زندہ ہے ابھی وہ خون جاری ہے

ارے قربانیوں کا سلسلہ جھولے تک آپہنچا
علی اکبرؑ سدھارے اَب علی اصغرؑ کی باری ہے

بدن کے داغ کیا گنتے ہو اس کے داغِ دل دیکھو
حکومت اسکی قائم ہے یہ سکّہ اسکا جاری ہے

مسلماں سر لیے جاتے ہیں سوئے شام نیزے پر
سوارِ دوشِ پیغمبرؐ کی یہ آخر سواری ہے

گلے کٹوا دیے عترت نے قرآں کی حفاظت میں
یہ روحِ اتحادی ہے یہ شانِ ورثہ داری ہے

کہاں اک مسندِ پُرزر کہاں سجدہ تہِ خنجر
وہ دنیاوی حکومت ہے یہ دینی شہریاری ہے

کہاں تک جینے والے صبر کرتے مرنے والوں کا
شہیدوں میں سکوں ہے قیدیوں میں بیقراری ہے

بلالیں شاید آقا کربلا میں موت سے پہلے
ابھی اے نجمؔ کچھ امید ہے امیدواری ہے

○

اٹھارہ داغ

دنیا میں غمِ حسینؑ کا پروردگار دے
دنیا کے ساتھ دین بھی یارب سنوار دے

عشرہ کا دن وہ دن ہے کہ خیرالنساؑ کا لال
جس دن کے انتظار میں راتیں گزار دے

میداں کو جارہا ہے پیمبرؐ کا جان و دل
اے چرخ، مہروماہ کو صدقے اُتار دے

اے قوم کیا جری یہ جواں مرگِ قوم تھا
ہر نوجوان کو تربتِ اکبرؑ پر وار دے

عباسؑ ہیں فرات پہ بچے ہیں منتظر
آواز دے صبا انہیں صحرا پکار دے

کون اپنے خوں میں آپ نہائے بجز حسینؑ
جب موت زندگی پہ خدا اختیار دے

جس نے پیا ہو مہد میں بنتِ نبیؐ کا دودھ
تسکین اس کو پیاس میں خنجر کی دھار دے

وہ دشتِ کربلا سے یہ پیغام دے گیا
میدان جیتنا ہے تو ہمت نہ ہار دے

خلقِ عظیم سے اسے نسبت ہو کس طرح
جو قوم چھ مہینے کے بچے کو مار دے

دنیا کے غم کو چھوڑ کے لے لو غمِ حسینؑ
غم ان کا ہو تو داغِ جگر بھی بہار دے

اُٹھارہ داغ اٹھائیں جو تا شام صبح سے
فطرت کہاں تک ان کے دلوں کو قرار دے

مرنے چلے ہیں کوفہ میں مسلم کے لاڈلے
اتنا نہیں ہے کوئی جو گیسو سنوار دے

اے نجم میری فکر کی اللہ ری ہمتیں
چاہوں تو بامِ عرش سے تارے اُتار دے

سبز پرچم

سبز پرچم بزمِ ماتم میں جو لہراتے ہیں ہم — آلِ پیغمبرؐ کی عظمت یاد دلواتے ہیں ہم
کھینچ کر اِس رنگ سے تصویرِ عباسِؑ جری — کائناتِ آدمِ عالم پہ چھا جاتے ہیں ہم
دردِ دل کی زندگی لے کر غمِ شبیرؑ سے — ساری دنیا میں پیامِ درد پہنچاتے ہیں ہم
خون میں ڈوبا ہوا آتا ہے اکبرؑ کا خیال — ناز پروردوں کو طوفاں آزما پاتے ہیں ہم
بے زباں اصغرؑ کا افسانہ سنا کر خلق کو — پتھروں کی آنکھ سے آنسو نکلواتے ہیں ہم
جب تصور اس کا لے جاتا ہے میداں کی طرف — اُس کی ننھی قبر سینے سے لگا آتے ہیں ہم
شام وہ عاشور کی اور وہ فضائے درد و غم — اس اندھیرے اس دھندلکے میں سما جاتے ہیں ہم
یاد آتی ہے اسیری سیدِ سجادؑ کی — جیسے اپنے سردرِ زنداں سے ٹکراتے ہیں ہم
عالمِ انسانیت کو سال بھر میں ایک بار — سرحدِ روحانیت میں کھینچ ہی لاتے ہیں ہم
کانپ جاتی ہے زمیں سینوں میں ہل جاتے ہیں دل — دست بر سینہ جدھر سے بھی گزر جاتے ہیں ہم
مدتوں روکا جنہیں صدیوں اُڑی جن کی ہنسی — وہ مقدس اشکِ غم آنکھوں سے برساتے ہیں ہم
ہم نشیں اِس منزلِ ماتم کا عالم کچھ نہ پوچھ — زندگی کو موت کو دونوں کو ٹھکراتے ہیں ہم
ہم نے قوموں کو جگایا ملتیں بیدار کیں — موت کی سی خامشی میں زندگی لاتے ہیں ہم

نجم اپنی زندگی ہے وقفِ مدحِ اہلبیتؑ
شاعرِ سرکارِ اہلبیتؑ کہلاتے ہیں ہم

○

وعدہ گاہ

دنیا گری ہوئی ہے آج ہماری نگاہ سے
یہ پھر گئی تھی سبطِ رسالت پناہ سے

اللہ رے حسینؑ کا سرمایۂ کرم
دشمن کو دیکھتے ہیں کرم کی نگاہ سے

آہی گئی شہادتِ مسلمؑ کی بھی خبر
پلٹا وہ کربلا کا مسافر نہ راہ سے

یوں تشنہ لب ہوا ہے کوئی ذبح نہر پر
پوچھو ذرا جہان کے سپید و سیاہ سے

پہلے تو ظالموں نے کیا وارثوں کو قتل
پھر قیدیوں کو لے گئے مقتل کی راہ سے

کیا وقت آگیا تھا کہ اصغرؑ سا شیر خوار
نکلا پئے جہادِ حسینیؑ سپاہ سے

جھولے میں بیقرار تھا معصوم بے زباں
بابا کی آرہی تھی صدا قتل گاہ سے

میداں کا شیر جنگ کے میداں میں رہ گیا
قاسم کی لاش اُٹھ نہ سکی رزم گاہ سے

سبطِ نبیؐ پہ دور سے اعدا کے وار تھے
کیا تاب تھی نگاہ ملاتے نگاہ سے

قائم ہے استغاثۂ شبیرؑ آج بھی
فرمان آخری تھا یہ اس بارگاہ سے

ڈوبا ہوا ہے خون میں یہ کارواں مگر
وابستہ قافلے ہیں بہت گردِ راہ سے

عابدؑ نے شامیوں کے کلیجے ہلا دیے
خوش تھے بہت اسیروں کے حالِ تباہ سے

جو حریت کی راہ بنا کر گئے حسینؑ
راہیں نکل رہی ہیں اسی شاہراہ سے

دنیا میں بے مثال ہے یہ قوتِ عمل
سرکٹ گئے قدم نہ ہٹے وعدہ گاہ سے

زندہ نشانیاں

سنتے ہیں سر کٹایا جب شاہِ کربلا نے
بابا بھی سامنے تھے نانا بھی تھے سرہانے

یہ عاقبت کا سورج نکلا تھا جگمگانے
نہلادیا لہو میں میدان کربلا نے

روحِ نبیؐ کہاں تھی اس وقت کون جانے
برباد تھا مدینہ آباد قید خانے

پہلے پہل گئے تھے آغوشِ مصطفیٰؐ میں
وقتِ اخیر آیا خنجر گلے لگانے

مولاؑ نے گردنوں سے بیعت نکال لی تھی
جانیں مگر لٹادیں اہلِ وفا نہ مانے

بابا نے زندگی بھر مشکل کشائیاں کیں
بیٹے کے علقمہ پر کاٹے گئے ہیں شانے

میدان کو سدھارا خیمے سے لال جس کا
ڈیوڑھی تک آئی مادر بچے کا دل بڑھانے

اصغرؑ کی زندگی کا اتنا ہی تھا فریضہ
آئے تھے یہ عدم سے دنیا میں تیر کھانے

کیا یہ نہ جانتے تھے سبطِ نبیؐ کے قاتل
اسلام کی طرح سے پالا ہے مصطفیٰؐ نے

جان اس نے جب سے دی ہے دل دے رہی ہے دنیا
سب اس کے ماتمی ہیں بیگانے اور یگانے

بیٹھے ہیں ہاتھ خالی اس وقت تک مسلماں
قبروں میں دفن کرکے اسلام کے خزانے

رَن میں بنا گئے ہیں وہ اپنا خوں بہا کر
یہ منزلیں دعا کی سجدوں کے آستانے

ملت فدائے را ہے اے نا خدائے ملت
دریائے خوں میں چل کر کشتی لگی ٹھکانے

زندہ نشانیاں ہیں تاحشر یہ رہیں گی
سَو بار اُٹھ چکی ہے دنیا جنہیں مٹانے

جیسا لُٹانے والا ویسا ہی دینے والا
سب کچھ لٹا دیا پھر سب کچھ دیا خدا نے

کتنے گھروں میں اب تک قائم ہیں یادگاریں
کیسے بسے ہوئے ہیں اجڑے ہوئے گھرانے

سن ساٹھ نے بنایا زنداں میں گھر ہمارا
صیاد نے اُجاڑے صدیوں تک آشیانے

دیکھے ہوئے تھے آنکھیں یہ سبطِ مصطفیٰؐ کی
آنکھیں بہت دکھائیں بدلی ہوئی فضا نے

پہنچا ہے ان سے پہلے آوازۂ جلالت
قیدی ہیں راستے میں منزل پہ ہیں فسانے

پابوسیوں کو ان کی چھائے ہیں غم کے بادل
طوفاں مصیبتوں کے اٹھے ہیں سر جھکانے

قرآں زبانِ حق پر آئین بن کے آیا — میداں میں آگئے یہ راہِ عمل دکھانے
اولادِ مصطفےٰؐ ہے جکڑی ہوئی رسن میں — خاموش ہے زمانہ اللہ رے زمانے
ملتِ کی زندگی ہے قربانیاں انہیں کی — سمجھے کوئی نہ سمجھے مانے کوئی نہ مانے
اب تک لرز رہے ہیں تاریخ کی زباں پر — سادات کے لہو میں ڈوبے ہوئے فسانے
انساں حسینیتؑ کو سمجھے گا نجم اک دن — جوہر نہ یہ ملیں گے دنیا کی خاک چھانے

○

عرش کا تارا

قوم کی خاطر رن کو سدھارا — فرش کا مالک عرش کا تارا
راج کرے گا سیس کٹا کر — بنتِ نبیؐ کا راج دُلارا
سارے جہاں میں دھوم مچی ہے — نام بھی پیارا کام بھی پیارا
وقت جب آیا دینِ نبیؐ پر — اس کو بلایا اس کو پکارا
ملت حق کو بعدِ پیمبرؐ — اس نے بنایا اس نے سنوارا
راہِ خدا میں جان گنوائی — یادِ خدا میں وقت گزارا
آج اسی کے غم میں ہے دنیا — غم کا مجاہد غم سے نہ ہارا
درد سے اس نے منہ نہ پھیرا — اُس کی طرف تھا درد کا دھارا
سب کا شہید کرب و بلا ہے — کیسا ہمارا کیسا تمہارا
جس نے بنا کی مجلسِ ماتم — جس نے بھی سمجھا درد ہمارا
سبطِ نبیؐ کے غم کی بدولت — نجم ہے غم کی آنکھ کا تارا

○

میدان کا دولھا

اِس شان کے دنیا میں دیکھے نہ سنے پیاسے
عباسؑ پلٹ آئے پیاسے لبِ دریا سے

یوں خاک بسر ہوگی اولادِ پیمبرؐ کی
یہ کس کو توقع تھی نیرنگیٔ دنیا سے

پیاسے ہیں نبیؐ زادے دریا سے ذرا ہٹ کر
ساحل پہ چھلکتے ہیں پانی سے بھرے کاسے

کیا جانئے پیاسوں کے احساس پہ کیا گزری
جب سرد ہوا آئی بہتے ہوئے دریا سے

یوں خون گراتے ہیں آقا کے پسینہ پر
ظاہر ہے شہیدوں کے خونبار سراپا سے

قاسمؑ جسے کہتے ہیں میدان کا دولھا تھا
دولھا کو ہے کیا نسبت میدان کے دولھا سے

جب قوم پہ وقت آیا دم بھر میں بدل ڈالا
جینے کے تصور کو مرنے کی تمنا سے

فطرت جو زباں دیدے عاشور کے افسانے
دریا سے سنے کوئی پوچھے کوئی دریا سے

جب رخصتِ آخر کو آئے تو یہ عالم تھا
پانی بھی سکینہؑ نے مانگا نہیں بابا سے

سوکھے ہوئے ہونٹوں کو جنبش ہے تہِ خنجر
مولاؑ کو سلام آیا کیا عالمِ بالا سے

تیروں کو ارادت ہے تیغوں کو عقیدت ہے
اِک سیدِ بیکس سے اِک سرورِ تنہا سے

آج اُن کی بھی مجلس ہے آج انکا بھی ماتم ہے
لپٹے تھے جو پروانے اس شمعِ تجلاّ سے

ہشیار ذرا رہنا ماتم کے تماشائی
آنسو نہ نکل آئیں اس چشمِ تماشا سے

اے نجم یہی شاید عنوانِ سفارش ہو
امید تو ہے اتنی آقا کی تولاّ سے

○

بلندیٔ افتاد

مشکیزہ جب کہ تیرِ ستم کھا کے گر پڑا
عباسؑ سا جوان بھی تیورا کے گر پڑا

بہرِ نماز گھوڑے سے اُترا نبیؐ کا لال
دنیا کو ہے گمان کہ غش کھا کے گر پڑا

جس میں سنانِ ظلم پہ آیا سرِ حسینؑ
یارب وہ قصرِ ظلم نہ تھرا کے گر پڑا

عشرہ کے دن اٹھا جو کوئی موجۂ فرات
ساحل تک آتے آتے ہی لہرا کے گر پڑا

کس کس کے دل پہ چوٹ لگی ہم سے پوچھیے
اسلام کا نشان جو تھرا کے گر پڑا

پابوسیِ حسینؑ کی حسرت لیے ہوئے
ہر جاں نثار حکمِ قضا پا کے گر پڑا

اس پر نثار جس کی مدد پر تھے مشرقین
وہ ساری کائنات کو ٹھکرا کے گر پڑا

اکبرؑ کو دیکھتی تھی بہ حسرت سپاہِ شام
اک اک نظر کو زلف میں الجھا کے گر پڑا

پامال ہوگیا سرِ میداں حسنؑ کا چاند
اِک طفل پوری فوج سے ٹکرا کے گر پڑا

دو چار دن رہا حُرِ غازی خلافِ راہ
آخر قدم پہ سیدِّ والا کے گر پڑا

پوچھو نہ ماجرا علی اصغرؑ کی موت کا
اک پھول تھا کہ شاخ سے مرجھا کے گر پڑا

دنیا پکارتی ہے شبیہِ نبیؐ جسے
سینہ پہ وہ حسیں بھی سناں کھا کے گر پڑا

لکھا گیا نہ خنجر و قاتل کا معرکہ
خامہ بھی تجمّ ہاتھ سے تھرا کے گر پڑا

تمکینِ سلیمانی

اکبرؑ کا تنِ نازک زخموں سے گل افشانی
ملت نے پیمبرؐ کی تصویر نہ پہچانی

سر دیکھ کے نیزہ پر دنیا کی وہ حیرانی
زلفوں کی سیہ تابی چہرہ کی درخشانی

وہ خوابِ شہادت میں کونین کا شہزادہ
وہ چہرۂ ہستی پر بیدار پریشانی

تکمیلِ شہادت کو وہ باپ کی تیاری
وہ صبر کی منزل میں مادر کی گرانجانی

یارب یہ نبیؐ زادے کس قوم کے مہماں تھے
کیا ذکر ہے راحت کا پانی نہ ملا پانی

دنیا کے لیے لُوٹا گھر آلِ پیمبرؐ کا
دنیا کے لیے ملت یوں ہوگئی دیوانی

واجب تھا پیمبرؐ سے اقرارِ وفا کرنا
اولادِ پیمبرؐ پر جائز تھی ستم رانی

اٹھتی ہوئی لہروں نے بہتا ہوا خوں دیکھا
دو روز کے پیاسوں کی دریا پہ تھی قربانی

جب مشک چچا کو دی شرما کے بھتیجی نے
آنکھوں نے کہا آنسو ہونٹوں نے کہا پانی

سایہ تھا پرندوں کا شبیرؑ کے لاشہ پر
تاریخ نے دُہرائی تمکینِ سلیمانی

جو فاطمہؑ زہرا کی آغوش کا پالا ہو
اس جسم کے قابل تھی یہ سطوتِ روحانی

جنت کے جوانوں کی زیبا اُسے سالاری
ملت کے شہیدوں کی حاصل اسے سلطانی

منزل تھی محبت کی انوار کی تابانی
تلوار تھی گردن پر سجدہ میں تھی پیشانی

جانیں وہ لٹائی ہیں اس بے سرو ساماں نے
اب تک ہے زبانوں پر وہ حوصلہ سامانی

تاحشر حکومت ہے اِس شاہِ شہیداںؑ کی
دو دِن کی حکومت میں کرلے کوئی من مانی

صدیوں سے ہے روزانہ ذکر اس کی شہادت کا
آمادۂ گریہ ہے پھر فطرتِ انسانی

اس در پر کوئی دیکھے ایثار کی خوش نظمی
اس در سے کوئی سیکھے آئینِ جہانبانی

مقتل کی ہواؤں میں زنداں کی فضاؤں میں
اسلام کی خدمت کی امت کی نگہبانی

کھویا ہوا تھا یارب کیا جذبۂ اسلامی
سوئی ہوئی تھی یارب کیا فطرتِ انسانی

سجادؑ کا دَور آیا سجدوں کی بہار آئی
رخصت ہوئی زنداں سے تاریکی و ویرانی

دربارِ یزیدی کا وہ صبر شکن منظر
اسلام کے وارث کی منبر پہ دُر افشانی
دربار میں سناٹا لہجے سے پیمبرؐ کے
وہ آنکھ اُٹھاتے ہی ظالم کی پشیمانی
دنیا میں ہمیشہ سے آنکھیں بھی ہیں آنسو بھی
دیکھی نہ سنی ایسی اشکوں کی دُر افشانی

خونِ تمنّا

ہائے عاشور کو شبیرؑ نے کیا کیا دیکھا
اپنی آنکھوں سے بہتّر کا تڑپنا دیکھا
آنکھ بھر کر کبھی اکبرؑ کو نہ دیکھا جس نے
اس نے لپٹا ہوا برچھی میں کلیجا دیکھا
ظالموں پیاس کی ایذا بھی اُٹھائی اس نے
تم نے خیمہ بھی لبِ نہر سے اُٹھوا دیکھا
کیسے لب خشک تھے عباسؑ کے جب مشک بھری
ہائے کس پیاس میں بہتا ہوا دریا دیکھا
دیکھنی تھی جسے اکبرؑ کی جوانی اس نے
خونِ دل خونِ جگر خونِ تمنا دیکھا
تو جو میدان سے بے شیر نہ آیا واپس
ماں نے کیا جانیے کب تک ترا رستا دیکھا
ہائے اس مادرِ مجبور کی حسرت جس نے
دور سے اپنے جگربند کا لاشا دیکھا
صبح سورج نے سلامی درِ شبیر پہ دی
شام کو چاند نے کچھ اور ہی نقشہ دیکھا
ڈوبتے دن کی نگاہیں درِ شبیر پہ تھیں
عصر کے وقت مسافر کو اکیلا دیکھا
اک بے یارومددگار کی صورت دیکھی
اک بے شیر کا اُترا ہوا چہرا دیکھا
تا گلو ظلم کی چڑھتی ہوئی ندی دیکھی
ایک ننھا سا گلا خون میں ڈوبا دیکھا
موجِ دریا پہ ادھر سینۂ ساحل پہ ادھر
ایک افسانۂ غم خون سے لکھا دیکھا
نہر کے سامنے جلتے ہوئے خیمے پائے
شام سے پہلے ہی دنیا میں اندھیرا دیکھا

پا بہ زنجیر ملا ایک مریضِ لاغر
روحِ کونین کو زنجیر میں الجھا دیکھا

ہر خس و خار میں اک آگ بھڑکتی دیکھی
خون اک اک رگِ صحرا سے ٹپکتا دیکھا

کیا کہیں ان کی حمیت کو جن آزادوں نے
قید میں آلِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا

پھر انہیں گوشہ نشینوں نے مسیحائی کی
مدتوں دین کو دنیا نے تڑپتا دیکھا

دین کو خون میں نہلا کے لیا دم تو نے
اپنا ظلم اے ہوسِ دولتِ دنیا دیکھا

کس سے پوچھوں کہ سمجھتے ہیں وہ شاعر اپنا
نجم کا نام بھی فہرست میں لکھا دیکھا

پیامِ عزا

سلامت ہیں درسِ وفا دینے والے
ہمیں نازشِ کربلا دینے والا

یہ کہتے ہیں لبیک آوازِ حق پر
یہ لاشے ہیں حق کا پتہ دینے والے

یہ مقتل میں کیا مطمئن سو رہے ہیں
شجاعت کا جذبہ جگادینے والے

خود اپنے لہو میں نہائے ہیں کیا کیا
صداقت کو رنگیں قبا دینے والے

کہاں ہیں اب ایسے شہیدانِ ملت
تہِ تیغِ قاتل دعا دینے والے

وہی آج ہیں دستگیرِ دوعالم
وہ دریا پہ بازو کٹا دینے والے

سدھارے کہاں اپنے جھولے سے اصغرؑ
حرم کو ذرا آسرا دینے والے

ملیں گے نہ اب رزم گاہِ جہاں میں
وہ اصغرؑ کو اکبرؑ بنا دینے والے

یہ جھولے سے مہدِ شہادت میں پہنچے
قیامت کا جھونکا دیا دینے والے

لہو چشمِ حق بیں سے رُلوا رہے ہیں
یہ ہر زخم پر مُسکرا دینے والے

تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

یہ ایثارِ ہمت صداقت شہادت یہی ہیں پیامِ عزا دینے والے
بڑے صبر کا ماجرا ہیں یہ آنسو یہ آنسو ہیں طوفاں اٹھا دینے والے
قیامت ہیں مجمی کے پُر درد نوحے
عزا دار کا دل ہلا دینے والے

○

چاک گریباں

حسرتیں پھوپھیوں کی ماں بہنوں کے ارماں لے گئے
اکبرِ مہ رو گلستاں کا گلستاں لے گئے

نیند نے آنکھیں پھرا لیں چین رخصت ہو گیا
سارے گھر کی جان تھے آسائشِ جاں لے گئے

دن ڈرانے ہو گئے راتیں اندھیری رہ گئیں
صبح روشن لے گئے شامِ درخشاں لے گئے

جس کے سلجھانے میں راحت سی دلِ مادر کو تھی
کون سی منزل میں وہ زلفِ پریشاں لے گئے

وہ جوانی کی امنگیں وہ جوانی کی بہار
موت کی تقریب میں شادی کے ساماں لے گئے

اب تبسم بیکسوں کے لب پہ آنے کا نہیں
بند آنکھوں میں مسرت کے چراغاں لے گئے

اس چمن میں پھر نہ آئی وہ نسیمِ جاں فزا
موسمِ گل لے گئے عہد بہاراں لے گئے

کر دیا آخر گریباں چاک ساری قوم کو
خون میں ڈوبا ہوا چاکِ گریباں لے گئے

زندگی باقی ہے ہوشِ زندگی باقی نہیں
پالنے والوں کا احساسِ رگِ جاں لے گئے

دیدنی تھا جاں نثاروں کا سلامِ رخصتی
چھین کر ایک ایک سے جینے کا ارماں لے گئے

آخری دیدار کی شب کیسی جلدی چل بسی
صبح اپنے حُسن کی شمعِ فروزاں لے گئے

پرورش کی قوم کی اپنا گلا کٹوا دیا
جنتِ داماں و فردوسِ گریباں لے گئے

کربلا میں آنے والے کتنی جانیں دے چلے
پھیر کر یثرب کو کتنے جسم بے جاں لے گئے

مٹ گئی راہِ خدا میں ساری اولادِ عقیلؑ
لاڈلے مسلمؑ کے یہ فخرِ نمایاں لے گئے

آتے آتے رہ گیا عون و محمدؑ کا شباب
چاندنی لوٹا کے دونوں ماہِ تاباں لے گئے

قوتِ بازو ہوا تعویذ قاسمؑ کے لیے
اپنے بابا کا نوشتہ دے کے میداں لے گئے

نہر سے کوثر کا رستہ مل گیا عباسؑ کو
تشنگی کے درد کی اُمید درماں لے گئے

عمر بھر ماں کو نہ بھولی اصغرِؑ ناداں کی یاد
عمر بھر کی زندگی دو دن کے مہماں لے گئے

دیکھتے ہی رہ گئے کونین منکا ڈھل گیا
اپنے شبنم سے گلے پر زخمِ پیکاں لے گئے

نجمؔ دنیا آلِ پیغمبرؐ کی دشمن ہی رہی
دل پہ کیا کیا داغ امت کے نگہباں لے گئے

لالہ زار

یہ محنتِ رسولؐ کا انجام کار ہو
سادات کے لہو سے زمیں لالہ زار ہو

فطرت ہے جس کے سوگ میں وہ گلعذار ہو
تم اے حسینؑ گلشنِ غم کی بہار ہو

ہو آلِ مصطفےٰؐ کا لہو جس کے دوش پر
وہ انقلاب دہر کیوں نہ یادگار ہو

جس کے گلے پہ ثبت ہوں بوسے رسولؐ کے
اس کے گلے پہ خنجرِ قاتل کی دھار ہو

نقشِ قدم نے جس کے بنادی خدا کی راہ
اُس کے قدم پہ جانِ دو عالم نثار ہو

آساں نہیں کہ موت کو اس طرح سونپ دے
انساں کو زندگی پہ اگر اختیار ہو

جس کی اذاں سے وجد میں آجائیں بحروبر
اللہ اس کے سینہ پہ برچھی کا وار ہو

اصغرؑ گئے تھے پیاس بجھانے کے واسطے
بیجا نہیں ہے ماں کو اگر انتظار ہو

اللہ رے حبیب کی عظمت زہے نصیب
جس پر سلام بنتِ شہِ ذوالفقار ہو
عابدؑ اٹھے ہیں بارِ امامت لیے ہوئے
یہ پاؤں وہ نہیں جنہیں زنجیر بار ہو
کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل
جذباتِ حریت کا جو پروردگار ہو
دیکھیں تو آنسوؤں کا گلا کوئی گھونٹ دے
جب ماتمِ حسینؑ میں دل بیقرار ہو
باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حسینؑ سے
باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو
اک لفظِ کربلا میں ہے وہ داستانِ غم
جس کا ہر ایک لفظ کلیجہ کے پار ہو
لُطف غمِ حسینؑ سے نا آشنا ہے وہ
جس غمزدہ کے دل میں غمِ روزگار ہو
میں تجمؔ اپنا فرض سمجھتا ہوں منقبت
ناداں ہے دل جزا کا جو امیدوار ہو

○

اَب کہاں

فاطمہؑ زہرا کے جانی اب کہاں
وہ بشر دنیائے فانی اَب کہاں
جان دے دی جس نے ملت کے لیے
وہ پیمبرؐ کی نشانی اَب کہاں
چاند سورج چھپ گئے اسلام کے
مہر و مہ پر حکمرانی اب کہاں
جس کا خالق ہے نبیؐ کا لاڈلا
وہ حیاتِ جاودانی اب کہاں
جو حسینؑ منچلوں کے دم سے تھی
وہ بہارِ جانفشانی اب کہاں
لے گئے یہ مرنے والے اپنے ساتھ
درد کی راحت رسانی اب کہاں
موت کا جو خیر مقدم کر گئی
وہ انوکھی زندگانی اب کہاں
وہ حسینؑ اور وہ حسینؑ کارواں
یہ وفا یہ قدر دانی اب کہاں

لے گئے اکبرؑ جوانی قوم کی
ہائے اکبرؑ کی جوانی اب کہاں
اب کہاں وہ حسرتِ زخمِ جگر
خونِ دل کی وہ روانی اب کہاں
اُٹھ گئے مہماں کے خیمے نہر سے
تشنگی حاضر ہے پانی اب کہاں
جس سے اصغرؑ نے کہا پیاسے ہیں ہم
وہ زبانِ بے زبانی اب کہاں
کرگئے نام اپنا عباسؑ جری
اب کہاں کرارِ ثانی اب کہاں
منزلِ صبر آزما میں سربکف
جستجوئے کامرانی اب کہاں
سوگ ہے شبیرؑ کا اور اہلبیتؑ
اِن کے گھر میں شادمانی اب کہاں
قیدِ غم ہے اور یتیمانِ حسینؑ
وہ فضائے مہربانی اب کہاں
زندگی نے مار ڈالا نجم کو
نجم کی شیوا بیانی اب کہاں

○

شانِ جلالت

سردے کے نانا جان کی دولت بچا گئے
اسلام مٹ رہا تھا کہ شبیرؑ آگئے
اسلام کو نگاہوں کا مرکز بنا گئے
اُٹھے حسینؑ اور دو عالم پہ چھا گئے
گردن پہ تیر ہنسلیوں والے بھی کھا گئے
میدانِ کارزار میں منت بڑھا گئے
کیا پوچھتے ہو کیسے تمہارے حسینؑ تھے
ایسے تھے زیرِ تیغ بھی جو مسکرا گئے
مقتل نہ تھا حسینؑ کا دربار عام تھا
ہاتھوں پہ سر لیے ہوئے اہلِ وفا گئے
رُخ پھیر دیں فرات کا جن کو تھا اختیار
وہ تین دن کی پیاس کے صدمے اٹھا گئے
ساحل پہ آئے مشک بھری اور پلٹ پڑے
عباسؑ اپنی شانِ جلالت دکھا گئے

کہتی ہیں آج تک یہی موجیں فرات کی
پانی تلک پیا نہیں کیا آئے کیا گئے

گھوڑے سے گر کے جانِ یداللہ وقتِ عصر
اب تک جو ہے بلند وہ طوفاں اٹھا گئے

سائے میں تیغِ ظلم کے سوکر اجل کی نیند
جسمِ بشر میں روحِ شرافت جگا گئے

طوفانِ آبِ تیغ بھی شرما کے رہ گیا
بچے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے

کیا دل پہ اختیار تھا کیا غم پہ اقتدار
اٹھے نہ پھر کسی سے جو صدمے اٹھا گئے

مقتل سے بھی گزر گئے زنداں کے در سے بھی
قوموں کے رہنماؤں کو رستہ بتا گئے

شاعر ہیں اہلِ بیتؑ رسالتؐ پناہ کے
اٹھا یہ شور نجم جو مجلس میں آگئے

○

راہِ رضا

میدانِ شہادت میں حسینؑ آئے ہوئے ہیں
پیغام حیاتِ ابدی لائے ہوئے ہیں

دریا پہ علمدارؑ کو ٹوکا ہے کسی نے
تلوار نکالے ہوئے جھنجھلائے ہوئے ہیں

نیزہ پہ بھی عباسؑ کا سرچیں بہ جبیں ہے
گیسو رُخِ پُر نور پہ بل کھائے ہوئے ہیں

اللہ نبیؐ زادوں پہ کیا ظلم ہوا ہے
بچے بھی کئی خون میں نہلائے ہوئے ہیں

شبیرؑ کہاں اور کہاں خواہشِ دنیا
یہ دوشِ پیمبرؐ کی ہوا کھائے ہوئے ہیں

روکو نہ انہیں جائیں گے میدان کو اصغرؑ
دنیا میں اسی دن کے لیے آئے ہوئے ہیں

جو آگ لگا دیتے ہیں تلوار سے رَن میں
نازک ہیں بہت دھوپ میں سنولائے ہوئے ہیں

کیا صبر کی تنظیم ہے اس تشنہ لبی میں
کیا اہلِ حرم بچوں کو بہلائے ہوئے ہیں

امداد کے طالب نہیں شبیرؑ کسی سے
خاموش ہیں کونین کو شرمائے ہوئے ہیں

زنداں میں وہی اب تیرے ماتم میں ہیں اصغرؑ
گیسو تیرے جن ہاتھوں کے سلجھائے ہوئے ہیں

جو سجدۂ خالق میں نہ تڑپے تہِ خنجر
کُل عالمِ اسلام کو تڑپائے ہوئے ہیں

اکبرؑ کی جوانی سے ہے ملت کی جوانی
سینہ پہ جوانی میں سناں کھائے ہوئے ہیں

کیا جوش پہ آیا ہوا ہے رنگِ شہادت
آفاق پہ رحمت کی طرح چھائے ہوئے ہیں

حق بھی ہے اسی سمت میں رُخ ان کا جدھر ہے
یہ راہِ رضا زیرِ قدم لائے ہوئے ہیں

یہ ضبط ربابؑ آپ کا شبیرؑ کے غم میں
معصوم سکینہؑ کو بھی سمجھائے ہوئے ہیں

شبیرؑ کا غم اور غمِ شبیرؑ کے آنسو
چشم و دلِ عارف میں جگہ پائے ہوئے ہیں

جس در کے فقیروں میں بشر بھی ہیں ملک بھی
ہاتھ اپنے وہیں جم بھی پھیلائے ہوئے ہیں

○

اے حسین علیہ السلام

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسینؑ
دنیا میں دین تیری بدولت ہے اے حسینؑ

دیوار و در لرزتے ہیں ماتم کے زور سے
کیا پُر وقار شامِ شہادت ہے اے حسینؑ

ملت بھی سوگوار ہے فطرت بھی ماتمی
چہرہ شفق کا خون کی رنگت ہے اے حسینؑ

جینے کا اختیار تھا مرنا کیا پسند
کیا جبر، اختیار پہ قدرت ہے اے حسینؑ

یہ صورتیں یہ خاکِ بیابانِ کربلا
اک اک جری کی چاند سی صورت ہے اے حسینؑ

کیا کیا گلوں میں تیر ہیں سینوں میں برچھیاں
بچوں میں بھی بزرگوں کی ہمت ہے اے حسینؑ

مردانِ حرب و ضرب کا اللہ رے انتخاب
یکساں جنہیں جراحت و راحت ہے اے حسینؑ

وہ تشنگی وہ تیر وہ اِک پھول سا گلا
بے شیر کا خیال قیامت ہے اے حسینؑ

دریائے خوں میں ڈوب کے بھی پار اتر گئے
سب کے لبوں پہ موجِ مُسرت ہے اے حسینؑ

ہر دن نمازِ عصر میں آتی ہے تیری یاد
کیا درد ناک عصر کی ساعت ہے اے حسینؑ

زخمی جبیں لہو سے مصلّے رنگا ہوا
یہ روحِ معرفت یہ عبادت ہے اے حسینؑ

زخمی اسد کے قبضہ میں جیسے شکار ہو
قدموں میں کائنات کی دولت ہے اے حسینؑ

یہ تیرے ساتھ موت میں کیسی حیات تھی
زندہ جو رہ گئے انہیں حسرت ہے اے حسینؑ

گزرا ہے اس طرح سے اسیروں کا قافلہ
خود جادۂ صواب کو تیرت ہے اے حسینؑ

نیزے پہ سر ہے دوشِ پیمبرؐ پہ ہیں قدم
یعنی ہر اک حال میں رفعت ہے اے حسینؑ

کیا منتہائے درد تھی کیا دل میں درد تھا
ہر اہلِ دل کو تجھ سے ارادت ہے اے حسینؑ

بزمِ عزا کی شان ہے عباسؑ کا علم
بیدار اب بھی روحِ جلالت ہے اے حسینؑ

انصار کی قلیل سی تعداد دیکھ کر
غرقِ عرق جبینِ موت ہے اے حسینؑ

سمجھے گا کیا کوئی میری سینہ شگافیاں
واللہ تیرے درد میں لذت ہے اے حسینؑ

میدانِ کربلا نہ سہی کربلا سہی
قدموں میں جان دینے کی حسرت ہے اے حسینؑ

○

حوصلۂ بشر

بعد حسینؑ یوں کوئی جلوہ نما نہیں ہوا
حوصلۂ بشر کبھی کرب و بلا نہیں ہوا

ہائے وہ ارضِ کربلا ہائے وہ سجدۂ جبیں
پھر تہِ تیغ جانستاں [illegible] خدا نہیں ہوا

ہائے وہ نیزۂ ستم ہائے شبیہ مصطفےٰؐ
کوئی شبیہ مصطفےٰ پھر بخدا نہیں ہوا

ہائے ستم کی سرزمین ہائے وہ قامتِ حسین
یوں کوئی جسمِ نازنین نقشِ وفا نہیں ہوا

ہائے گلوئے اصغری ہائے شکیب سروری
دہر میں پھر یہ مصرف تیر قضا نہیں ہوا
ناصرِ دینِ حق تھے سب، سب نے وفا پہ جان دی
لشکرِ حق پرست میں خونِ وفا نہیں ہوا
ہائے حسینؑ کا لہو ہائے ہجومِ رنگ و بو
پھر کوئی خطۂ زمیں خاکِ شفا نہیں ہوا
ہائے مصیبتِ حرمِ قیدِ حیات و قیدِ غم
کوئی شریک حالِ دل غم کے سوا نہیں ہوا
قید کے رات دن کٹے پاؤں کی بیڑیاں کٹیں
سوز جگر میں رہ گیا درد جدا نہیں ہوا
کونسی رات تھی وہ جب داغِ جگر نہیں جلا
کونسا روز تھا وہ جب زخم ہرا نہیں ہوا
نجمؔ کہیں ہمارے بعد اہلِ عزا یہ نہ کہیں
نجمؔ کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا

○

آخری سجدہ

زرد کرنیں ڈوبتا سورج زمینِ کربلا
کربلا کی خاک پہ مسند نشینِ کربلا
تنگ ساعت عصر کی ڈھلتا ہوا عشرہ کا دن
نرغۂ اعدا میں تنہا ایک نفسِ مطمئن
ایک زخمی، غم زدہ بیکس مسافر، تشنہ کام
اس کی ہمت پر درود اور اس کی غربت پر سلام
اپنی مرضی کے مطابق وقت کو ڈھالے ہوئے
آخری سجدہ کی خاطر موت کو ٹالے ہوئے
فرش پر عرشِ الٰہی سے پیام آتے ہوئے
جانستاں تیروں کی بارش میں سلام آتے ہوئے
کائناتِ آب و گل کی زندگی سہمی ہوئی
اس کے تیور دیکھ کر خود موت بھی سہمی ہوئی
خانۂ حق میں بلند اللہ اکبر کی صدا
کربلا میں خونِ اکبرؑ خاک پر بہتا ہوا
تا بہ دریا بوئے خون بے زباں جاتی ہوئی
لاشِ عباسؑ جری ساحل پہ تھراتی ہوئی
باوفا انصار کے ریتی پہ لاشے چار سو
منہمک ذکرِ خدا میں بے گناہوں کا لہو

تشنہ کامی کی یہ منزل عقل پاسکتی نہیں
بے اجازت علقمہ نزدیک آسکتی نہیں

حسرتِ دیدار میں اہلِ حرم سب منتظر
موت جلتی ریت پر خیمے میں زینبؑ منتظر

لب پہ ہراک کے دعا میداں سے آنے کے لیے
در پہ فضہ منتظر پردہ اٹھانے کے لیے

ہاتھ سے بچوں کے دامن صبر کا چھوٹا ہوا
روحِ دریا مضطرب صحرا کا دل ٹوٹا ہوا

محوِ حیرت ہیں ملک سجدے کا عنواں دیکھ کر
ریت کے ذروں کو زخموں میں درخشاں دیکھ کر

غم زدہ مادر کی آوازِ بکا پھیلی ہوئی
قلبِ پیغمبرؐ دھڑکنے کی صدا پھیلی ہوئی

یہ عبادت اور ہے یہ کج کلاہی اور ہے
زیرِ خنجر یہ نمازی یہ سپاہی اور ہے

اس کے آگے پست ہے ایثار کا ہر معرکہ
اس نے سر سجدہ میں رکھا ہوگیا سر معرکہ

کٹ گئیں سوکھی رگیں گردن پہ خنجر چل گیا
لے لیا آغوش میں زہراؑ نے منکا ڈھل گیا

آخری سجدہ دلیلِ کامرانی اب بھی ہے
سینۂ گیتی پہ نقشِ جاودانی اب بھی ہے

○

آخری سجدہ

تیرے سجدے میں ہے وہ روحِ جلالت اے حسینؑ
کانپتی ہے عصرِ عاشورہ کی ساعت اے حسینؑ

منتظر ہیں دست و دامانِ مشیت دیر سے
نذر کردے آخری سجدے کی دولت اے حسینؑ

ارتباطِ خنجر و گردن پہ راضی ہوگئی
آج ماں کی مامتا ماں کی محبت اے حسینؑ

زلزلہ کون و مکاں کی چار دیواری میں ہے
جانِ زہراؑ سجدۂ آخر کی تیاری میں ہے

سینۂ اکبرؑ سناں سے پارہ پارہ ہوچکا
موت کی آغوش میں تنہا مجاہد سو چکا

اور صدمے بڑھ گئے ہیں بیکسی کی پیاس کے
ساحلِ دریا پہ شانے کٹ گئے عباسؑ کے

کیسے کیسے ناصرِ دینِ خدا مارے گئے | سر بکف میدان میں مسلمؔ کے مہ پارے گئے

ثانیِ زہراؑ مہمِ ایثار کی سر کر چکی | اپنے دونو لاڈلے بچے نچھاور کر چکی

ہر مجاہد کی جگہ خیمے میں خالی دیکھ لی | لاشۂ ابنِ حسن کی پائمالی دیکھ لی

فرش پر عرشِ الٰہی سے پیام آنے لگے | اُس کے نفسِ مطمئنہ کو سلام آنے لگے

ہل گیا مقتل ملک آئے پیمبرؐ آ گئے | علقمہ تھرا گئی ساقیِ کوثر آ گئے

بہرِ تسلیمات خاصانِ الٰہی جھک گئے | سامنے حدِ ادب پر سب فرشتے رک گئے

کون جانے دشت و در کی بیقراری کب سے ہے | یہ کسے معلوم زہراؑ کی سواری کب سے ہے

دو جہاں کی قوتیں ہیں دست بستہ سامنے | کر دیا ہے سب سے بے پروا خدا کے نام نے

خالقِ انسانیت نے اپنی قدرت سونپ دی | دستِ بیکس میں خدائی بھر کی قسمت سونپ دی

سجدہ فرماتا ابد سجدہ گزاروں کا سلام | تجھ پہ اے مظلوم تیری خوں کی دھاروں کا سلام

تیرے استقلال پر ہر پاک ہستی کا سلام | سینکڑوں زخموں کے حامل حق پرستی کا سلام

فاتحِ تشنہ لبی غم کے پیاموں کا سلام | تجھ پہ تیری معرفت کے تشنہ کاموں کا سلام

زیرِ خنجر تیرا سجدہ بندگی کی جان ہے
طاعتِ حق کی بلندی پر تیرا احسان ہے

آخری سجدہ

اک مسافر قبرِ پیغمبرؐ سے اٹھوایا ہوا | چھوڑ کر ماں کی لحد پردیس میں آیا ہوا

جس نے اتنے غم سہے دنیا کو حیراں کر دیا | دردِ دل سے مرضیِ خالق کا دامن بھر دیا

جس کے ماتم سے ہے وابستہ حیات اسلام کی | جس کے تن پر زخم ہیں کل کائنات اسلام کی

جس کے صبر وضبط نے فطرت کا چہرہ فق کیا
لاشِ اصغرؑ دفن کر کے جس نے شکرِ حق کیا

بن گئی آغوشِ مادر کربلا جس کے لیے
آئیں جنت سے تڑپ کر فاطمہؑ جس کے لئے

عصرِ عاشورہ کی ساعت پر نظر رکھے ہوئے
چہرۂ پُر نور جلتی ریت پر رکھے ہوئے

خون کی مسند بساطِ خاک پر بچھی ہوئی
چار جانب قدسیوں کی چشم تر بچھی ہوئی

ہر طرف اشکِ غمِ جن و ملک پھیلے ہوئے
دل کے ٹکڑے علقمہ کی نہر تک پھیلے ہوئے

زندگی ہے دم بخود بیکس کے تیور دیکھ کر
تھم گئی موت آخری سجدے کا منظر دیکھ کر

اس کی ہیبت سے زمین و آسماں مدہوش ہیں
لشکرِ دشمن میں طبلِ جنگ بھی خاموش ہیں

کشتگانِ عشق کے لاشے پڑے ہیں سامنے
دیر سے سہمے ہوئے قاتل کھڑے ہیں سامنے

زیرِ خنجر وہ مجاہد وہ شہیدِ حق پناہ
لکھ رہا ہے خاک پر خونِ گلو سے لاالہ

انبیاء نذرانۂ اشکِ عقیدت لائے ہیں
اُس کا سرزانو پہ اپنے خود پیمبرؐ آئے ہیں

قبرِ اصغرؑ بن چکی اکبرؑ کا لاشہ اٹھ چکا
در پہ زینبؑ آگئی خیمہ کا پردہ اُٹھ چکا

کربلا خیمہ کے در پردہ حزینہ تو نہیں
دیکھنا ہمراہ زینبؑ کے سکینہؑ تو نہیں

آخری سجدہ نیاز و ناز کا ہنگام ہے
فاطمہؑ کا لاڈلا ہے اور خدا کا نام ہے

روشنی ڈالی جبیں کے نور نے قرآن پر
اُس کا سجدہ مہر ہے اللہ کے فرمان پر

ذرّہ ذرّہ کو زباں خونِ شہیدِ ناز دے
کیا عجب ہے کربلا جبرئیل کو آواز دے

آخری سجدہ کا نقشِ خونچکاں لے جایئے
عرش تک مولاؑ کی خاک آستاں لے جایئے

آخری سجدہ

ڈوبتے سورج کی غمگیں روشنی سجدے میں ہے
عصرِ عاشورہ کا مالک آخری سجدے میں ہے

زندگی کا ذکر کیا ہے موت بھی سجدے میں ہے
زیرِ خنجر جانِ زہراؑ و علیؑ سجدے میں ہے

کانپتا ہے عرشِ خالق سجدۂ شبیرؑ سے
ریگزار کربلا ہے اور حیدرؑ کا لہو

ہل گئے دل یہ سکونِ دل کا منظر دیکھ کر
آخری سجدہ قریب قبرِ اصغرؑ دیکھ کر

خاک کے بستر پہ دیکھا قدسیوں نے آج اسے
بچپنے میں زینتِ دوشِ پیمبرؐ دیکھ کر

تھرتھرا اٹھیں سنانیں تھم گئے دستِ ستم
تشنہ لب اہلِ وفا کو خون میں تر دیکھ کر

نہر پر سوتا ہے کوئی ہاتھ کٹوائے ہوئے
کوئی محوِ خواب سینہ پر سناں کھائے ہوئے

کوئی پامالِ سمِ اسپاں ہے خاکِ گرم پر
ٹکڑے ٹکڑے جسم جیسے پھول مرجھائے ہوئے

ال دو مسلم کے ہیں دو لاڈلے زینبؑ کے ہیں
زندگی پر فتح پائے موت پر چھائے ہوئے

انبیاء دل میں تولاّ کی امانت لائے ہیں
کتنے خاصانِ خدا نذرِ عقیدت لائے ہیں

کیا تعجب بال کھولے سیدۂ بالیں پہ ہوں
اشکِ غم آنکھوں میں سرکارِ رسالت لائے ہیں

عرش سے بہر سلام آئے ہیں جبریلِ امیں
حکم حق سے سعیِ مشکوراً کی نعمت لائے ہوئے

کائنات درد والے دین و دنیا کا سلام
اہلِ دل اہل نظر اہلِ تولاّ کا سلام

صدقے تیری پیاس پر بیتاب موجوں کی تڑپ
اے شہید تشنۂ لب مجبور دریا کا سلام

مالکِ صبر و شجاعت فاتحِ کرب و بلا
تیری ہمت پر خدائے کار فرما کا سلام

اعتراف احساں کا تیرے فرضِ عینی ہوگیا
آج دینِ مصطفےٰؐ دینِ حسینیؑ ہوگیا

○

کربلا کے مسافر

مقتل میں لاشیں رہ گئیں نیزوں پہ سر گئے — یارب یہ کربلا کے مسافر کدھر گئے
سر دیکھ کر حسینؑ کا جذبے ٹھہر گئے — اعدا نے اشک روکے تو چہرے اتر گئے
رُکتے ہیں جنگ سے کہیں شیرِ خدا کے شیر — اصغرؑ کہاں تھے جانے کے قابل مگر گئے
ڈوبا غمِ حسینؑ میں عشرہ کا آفتاب — لیلائے کائنات کے گیسو بکھر گئے
انصارِ با وقار کو اب چاہیے تھا کیا — زہراؑ کی لاڈلی سے دعا لے کے مر گئے
جاری ہے اب بھی سلسلۂ نصرتِ حسینؑ — وہ سب شہید ہیں جو محبت میں مر گئے
آبِ رواں میں ناخنِ پا بھی نہ تر کیا — عباسؑ بحرِ خوں میں گلے تک اتر گئے
امت کی ذہنیت ہی بدل دی حسینؑ نے — کیا ذکر ہے عمل کا ارادے سنور گئے
پڑھ کر نماز عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ — اِک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے
سمجھے نہ حق شناس بھی منزل حسینؑ کی — اتنا ہی کہہ سکے یہ بڑا کام کر گئے
پایا نہ قاتلوں نے کہیں چین عمر بھر — نظروں میں تھے حسینؑ کے تیور جدھر گئے

تھے تجمؔ خوش نصیب کہ ذکرِ حسینؑ پر
روحی فداک کہہ کے جہاں سے گزر گئے

پیامِ عمل

قتل کی شبیرؑ کی بات کدھر جائے گی — قبرِ پیمبرؐ پہ بھی کیا یہ خبر جائے گی
جاتی ہیں زینبؑ وطن بالی سکینہ بغیر — کس کو خبر تھی غریب قید میں مر جائے گی
آئی ہے عشرہ کی شام بال پریشاں کیے — چہرہ پہ مل کر لہو غم کی سحر جائے گی
منزلِ کرب و بلا خون کا دریا سہی — ڈوب کے فوجِ خدا پار اتر جائے گی
ماں کو نہ تھا وہم بھی چاند سی اکبرؑ کی شکل — خاک میں بھر جائے گی خون میں بھر جائے گی
سینۂ عباسؑ پر تیر بھی آئے تو کیا — نبضِ شجاعت یہاں اور ابھر جائے گی
لاشے ہی لاشے حسینؑ دیکھیں گے انصار کے — عصر تلک جس طرف آج نظر جائے گی
خاک نشیں ہیں حرم قتل کے میدان میں — کیا اسی عنوان سے رات گزر جائے گی
قید سے چھٹ کر بھی ہیں قید میں چوتھے امامؑ — مجلس و ماتم ہی میں عمر گزر جائے گی
ملتِ اہلِ عزا حشر کے میداں میں بھی — درد بہ دِل جائے گی خاک بسر جائے گی
وقت کا احساس کیا ماتمِ شبیرؑ میں — صبح گزر جائے گی شام گزر جائے گی
اشک سلامت رہیں ماتمِ شبیرؑ کے — اب نہ تری آبرو دیدۂ تر جائے گی

نجم ہمیں نزع میں صَرفِ عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

○

سبز قبا

شاید ہے طلب پھر مری شبیرؑ کے در سے
اے جذبۂ مدحت یہ ہوا آئی کدھر سے

بالا ہی رہی شانِ علیؑ ذہنِ بشر سے
دنیا نے بہت کام لیا فکر و نظر سے

مدحت کے ترانے میں بڑا وزن ہے واعظ
اک حرف ہے بھاری تری تسبیحِ گُہر سے

جبریلؑ سے پوچھے کوئی اس نغمہ کا ماخذ
پڑھتے ہوئے یہ نادِ علیؑ آئے کدھر سے

ہوتا نہ اشارہ جو حسینؑ ابنِ علیؑ کا
ہرگز نہ بدلتی شبِ عاشور سحر سے

جیتے ہیں دو عالم حسنؑ سبز قبا نے
اک صبر کی تلوار محبت کی سپر سے

روتے ہیں جو اس دور کے کشتوں کو مسلماں
وہ آنکھ ملائیں تو مرے دیدۂ تر سے

دن عشرہ کا ڈھلتے ہوئے دیکھیں گے نہ انصار
تلواروں پہ صیقل کیے بیٹھے ہیں سحر سے

کھلتی نہیں تائید میں کیوں ان کی زبانیں
دل جن کے تڑپ جاتے ہیں ماتم کے اثر سے

اک اور علیؑ سے ہوئی خدمت یہ نبیؐ کی
ماتھے کی شکن مٹ گئی خیبر کی خبر سے

مدحت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی مرا جادہ
گذرے ہیں پیمبرؐ بہت اس راہ گذر سے

ہے حضرت ناسخ سے تلمذ کا تسلسل
نسبت ہے مجھے نجم بڑے اہلِ ہنر سے

○

دین کا رہبر

مسلّم کیوں نہ ہو تیری بزرگی اے علی اصغرؑ
شریکِ عظمتِ شبیرؑ و شانِ حیدرِؑ صفدر

علی ایسے ہی ہوں گے اپنی گہوارہ کی منزل میں
یہی صورت یہی چتون یہی نظریں یہی تیور

فضائے رحمت و رفعت میں جھولا جھولنے والے — تصدق گردشِ آفاق گہوارہ کی جنبش پہ
قسم کھاتا ہوں تیرہ سو برس کے دورِ ماتم کی — تیری چھ ماہ کی ہے عمر عمرِ خضر سے بہتر
لڑکپن بھی تصدق ہے جوانی بھی ضعیفی بھی — نہاں ہے عالمِ اصغر میں ایسا عالمِ اکبر
رہے پاسِ ادب سے دور ورنہ تیر چلتے میں — تجھے گودی میں لے لیتے مہ و مہر فلک بڑھ کر
تجھے نادان کہنا سادگی ہے فکرِ شاعر کی — نظرِ انداز کردیتا اسے اے غم کے پیغمبرؑ
ترے معیارِ دانش کی خبر دی استغاثے نے — یہ سنتے ہیں کہ جھولے میں ٹھہرنا ہوگیا دوبھر
کوئی صورت نہیں ممکن بجز تیری محبت کے — ہمہ وقتی عبادت ہے اگر ایمان کا جوہر
ہوا فائز نہ اس معراج پر کوئی پیمبرؑ بھی — شہادت پائی تونے سبطِ پیغمبرؐ کے ہاتھوں پر
سفر کل چھ مہینے کا ولادت سے شہادت تک — مگر تو ہے قیامت تک خدا کے دین کا رہبر
ترے زخمِ گلو کی مُہر نے اے نازشِ فطرت — مکمل کردیا شبیرؑ کے ایثار کا دفتر
ہوائے تیر سے انکھوں میں آنسو تک نہیں آئے — تبسم لب پہ آیا دینِ حق کی زندگی بن کر
جسے ہو عشقِ صادق تجھ سے اس کی شان کیا کہنا — میرا دل اس کے قدموں میں میرا سر اس کے قدموں پر
بس اب اللہ اکبر کہہ کے میں خاموش ہوتا ہوں — بشر کی فہم سے باہر ہے تیرا مرتبہ اصغرؑ

تیری مدحت کے جادے پر یہ فکرِ نجم کی حد ہے
حق آگاہی تیری منزل یداللہی ترے تیور

○

شورِ وفا

سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے — کلمہ حسینؑ کا ہے محمدؐ کا نام ہے
دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے — یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے

بے ماتمِ حسینؑ سحر ہے نہ شام ہے
جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے

سینہ پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے
انسانیت حسینؑ کے اُسوہ کا نام ہے

سمجھے کہاں جو سبطِ نبیؐ کا مقام ہے
کتنا ابھی شعورِ بشر تشنہ کام ہے

دریا پہ کون شیر جری تشنہ کام ہے
موجوں کا ہے یہ شور وفا اس کا نام ہے

نفسِ رسولؐ اس کی رضا تک پہنچ گیا
سمجھے تھے ہم کہ راہ خدا نا تمام ہے

اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ
یہ مسلکِ حسین علیہ السلام ہے

اشکِ غمِ حسینؑ میں ہے لطفِ زندگی
رونا اگر نہ آئے تو جینا حرام ہے

قرآن میں خدا نے مودت کہا جسے
یہ بھی حسینیتؑ کا حقیقت میں نام ہے

ہمراہ ہے ضریح کے عباسؑ کا علم
واللہ یہ شعورِ وفا کا مقام ہے

موسم غمِ حسینؑ کا آیا چلا گیا
یہ کاروانِ درد بڑا تیز گام ہے

شاعر ہوں اس کے در کا میں اے شاعرانِ دہر
جس کا ہر ایک لفظ خدا کا کلام ہے

تقلید میری ہوتی ہے اہل سخن میں تجم
چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

○

دردِ درماں

چاند نے زہراؑ کے مستقبل درخشاں کردیا
قومیت کی روحِ آزادی کو جولاں کردیا

جلوۂ شبیرؑ نے بنت بداماں کر دیا
قسمت اس جنگل کی جس کو کوئے جاناں کردیا

سینۂ یثرب سے نکلا کاروانِ دردِ دل
کربلا کو سجدہ گاہِ درد و درماں کردیا

اے حسینؑ ابن علیؑ اے کار سازِ حریت
تو نے مرگ و زندگی دونوں کو آساں کردیا

سر پہ کج رکھ کر ہجومِ غم میں تاجِ بے کسی
ظلم کے آئین کو سربہ گریباں کر دیا

درد کی قوت سے دنیا لرزہ براندام ہے
بجلیاں ماتم میں بھر دیں غم کو طوفاں کر دیا

جھوٹ سے ٹکرا کے سچے بول شمع بن گئے
ہر زبانِ گنگ کو شمشیرِ عریاں کر دیا

ڈھے گیا قصرِ امارت ہل گئی بنیادِ ظلم
کارگاہِ عیش کو خوابِ پریشاں کر دیا

اضطرابِ معنوی دے کر بنایا دل کو دل
زندگی کو زندگی انساں کو انساں کر دیا

نجم ہم نے مدحِ اہلِ بیتؑ کے ہر شعر میں
فاضلِ طینت کی فطرت کی نمایاں کر دیا

شانِ انصار

جنگ کا دن تھا مصلّے پر تھے انصارِ حسینؑ
ٹیک کر تلوار اُٹھا ہر فدا کارِ حسینؑ

فہمِ انسانی سے بالاتر ہے معیارِ حسینؑ
خالقِ عزت سے پوچھو عزتِ کارِ حسینؑ

کردگارِ حسن کی ناز آفرینی دیکھئے
دو امامؑ اور اک پیمبرؐ ناز بردارِ حسینؑ

خانۂ حق کی سیہ پوشی ہے اس غم کی گواہ
ابتدائے غم سے کعبہ ہے عزادارِ حسینؑ

دامِ آزادی میں دنیا مجھ کو لا سکتی نہیں
میں گرفتارِ علیؑ ہوں میں گرفتارِ حسینؑ

ظہر کو سجدوں میں تھے سر عصر کو نیزوں پہ تھے
روزِ عاشورہ نے دیکھی شانِ انصارِ حسینؑ

چل پڑا راہِ خدا پر اک منظم کارواں
جب مجسّم ہوگئے احساس و افکارِ حسینؑ

صبح اُٹھ کر سب نے دیکھا اپنا منہ تلوار میں
کیا مجاہد تھے بہتر آئینہ دارِ حسینؑ

لے کے آئی عصرِ حاضر تک تولّا کی کشش
وقت نے دیکھی سُنی رفتار و گفتارِ حسینؑ

ڈوبتے سورج سے پوچھا یہ اُبھرتے چاند نے
کب سے ریگِ گرم پر رکھے ہیں رخسارِ حسینؑ

اُن کی نعلینِ مبارک میرے سر آنکھوں پہ نجم
تاجداروں سے ہیں برتر کفش بردارِ حسینؑ

سلام

دل ان کی اطاعت میں نہ رہیں قدرت کو گوارا ہو نہ سکا
شبیرؑ کا جو بندہ نہ بنا اللہ کا بندہ ہو نہ سکا

ایثارِ حسینؑ سے پہلے آنکھوں میں اُجالا تھا لیکن
جب تک یہ دیا روشن نہ ہوا ذہنوں میں اُجالا ہو نہ سکا

کیا سبطؑ پیمبر کو غافل اپنا ہی سا انساں سمجھا ہے
انسان وہ ایسا تھا جس کا تو نقشِ کفِ پا ہو نہ سکا

شبیرؑ جب آڑے آجائیں پھر وار کسی کا کیسے چلے
رسوا ہوئے خود ہی دشمنِ دیں اسلام تو رسوا ہو نہ سکا

محفل کے ہزاروں دولہا تھے محفل کے ہزاروں دولہا ہیں
قاسمؑ کی طرح دنیا میں کوئی میدان کا دولہا ہو نہ سکا

کیا پاسِ ادب تھا سرور کا اکثر نے لیا یوں اذنِ وغا
جو کچھ بھی کہا نظروں سے کہا لفظوں میں تقاضا ہو نہ سکا

توحید کی بھی تائید ہوئی اسلام کی بھی تجدید ہوئی
شبیرؑ نے وہ احسان کیا جس کا کوئی بدلا ہو نہ سکا

اللہ رے فراقِ سبطؑ نبیؐ تو نے بھی سہی یہ تشنہ لبی
اے نہرِ فرات اب تک تو کبھی دریا کوئی پیاسا ہو نہ سکا

عباسؑ اک ایسی ہستی تھا عباسؑ اک ایسی ہستی ہے
اونچا کبھی جس کے پرچم سے معیارِ وفا کا ہو نہ سکا

انسان کی حد سے آگے ہے شبیرؑ کی راہِ فکر و نظر
ہر قوم میں جس کا ماتم ہو انساں کوئی ایسا ہو نہ سکا

شبیرؑ کے غم نے پرکھا ہے شبیرؑ کے غم نے سمجھا ہے
اے نجم کہیں اس دنیا میں سودا ترے دل کا ہو نہ سکا

○

سلام

طرح مصرع: ''خونِ حسینؑ ابنِ علیؑ بے اثر نہیں''

رُخ سمتِ کربلائے معلیٰ اگر نہیں
انسانیت کی اور کوئی رہگزر نہیں

صد شکر مل گیا مجھے در اہلِ بیت کا
توفیقِ معرفت ہے کہ میں دربدر نہیں

اکبر کی موت اور ان کی جوانی کو دیکھیے
اک آفتابِ حُسن ہے نیزہ پہ سر نہیں

میں ہوں غمِ حسینؑ میں دونوں سے بے نیاز　　جینے کی آرزو نہیں مرنے کا ڈر نہیں
تم کیا کرو گے ماتمِ شبیر کا علاج　　یہ دردِ دل ہے چارہ گر دردِ سر نہیں
حاجی ہو کوئی حافظِ قرآں ہو کوئی تجم
کچھ بھی نہیں علیؑ سے محبت اگر نہیں

○

سجدہ گاہِ عشق

کربلا کی راہ میں رہبر نگاہِ عشق ہے　　ساری دنیا آج میری گردِ راہِ عشق ہے
اے مسافر دور سے کر سجدۂ حق الیقیں　　سر کے بل بھی حد سے بڑھ جانا گناہِ عشق ہے
عشق کا سجدہ ہوا ایسا نہ پھر بعد حسینؑ　　کربلا اس روز سے خود جلوہ گاہِ عشق ہے
عہدِ ختمی مرتبت میں جا کے یہ عقدہ کھلا　　حُسن بھی روزِ ازل سے رُو براہِ عشق ہے
گُم نہیں کرتے کبھی رستہ مرے قول و عمل　　میرا ہر اک لفظ ہر جُنبش براہِ عشق ہے
تاجدارِ کربلائے عشق ہیں سبطِؑ نبیؐ　　اشک و آہ و مجلس و ماتم سپاہِ عشق ہے
کس قدر خاموش جذبہ ہے پتہ چلتا نہیں　　اس بھری دنیا میں کس سے رسم و راہِ عشق ہے
تاج کے محتاج ہیں جو، ان سے کہدے ہم نفس　　میرے سر ''قالوبلیٰ'' والی کلاہِ عشق ہے
ہوشیار اے راہرو ٹھوکر نہ کھا جانا کہیں　　ہر قدم پر عشق کے اک سنگِ راہِ عشق ہے
کیا اثر ہے مستقل قربانیِ شبیرؑ کا　　آج تک دنیا کو احساسِ کراہِ عشق ہے
تو حجابِ منزلِ قوسین تک سمجھا ہے کیا　　بے خبر اس سے بھی بڑھ کر دستگاہِ عشق ہے
بزمِ شاہی سے گزر بابِ یداللٰہی تک آ　　جس کے قدموں کا تصدق عز و جاہِ عشق ہے
میں کہاں عشقِ لقائے سبطِؑ پیغمبرؐ کہاں　　اللہ اللہ کس بلندی پر نگاہِ عشق ہے

سو رہا ہے کربلا میں قافلہ سالارِ عشق
اس کے مقتل کی زمیں اب خوابگاہِ عشق ہے

میں غمِ شبیرؑ میں محفوظ ہر اک غم سے ہوں
ہر مصیبت میں مجھے حاصل پناہِ عشق ہے

یہ حسینؑ ابنِ علیؑ سے فخرِ نسبت ہے مجھے
میں فقیرِ عشق ہوں وہ بادشاہِ عشق ہے

تجمؔ تیرہ سو برس سے آج تک قبرِ حسینؑ
معبدِ اہلِ وفا ہے سجدہ گاہِ عشق ہے

مدحتِ مولاؑ

زمینِ کربلا بھی یاد کرتی ہے تہ دل سے
نہ پوچھو زائروں کو کیا صدا آتی ہے منزل سے

ہمیں پردیس میں بھی رنجِ تنہائی نہیں رہتا
صدائے یاحسینؑ آئی جہاں دل مل گیا دل سے

علیؑ نے دودھ کا شربت پلایا ابنِ ملجم کو
کسی نے اس طرح بدلہ لیا ہوگا نہ قاتل سے

گرے عباسؑ گھوڑے سے تو گونجی یہ صدا رن میں
سرک جائے گا دریا لاش اٹھے گی نہ ساحل سے

گزر جاتی ہیں عمریں کربلا کا غم سمجھنے میں
یہ آب وگلِ کا پیکر آدمی بنتا ہے مشکل سے

وہ اس ماحول سے شکرِ خدا کرتے گئے ہوں گے
جو زنداں کو سدھارے شام کے حاکم کی محفل سے

ولائے اہلبیتِ مصطفےٰؐ کی عظمتیں پوچھو
کسی شائستۂ غم سے کسی شائستۂ دل سے

علیؑ کے ذکر پر کیا کہہ سکیں گے عقل کے دشمن
گلے رُندھ جائیں گے آواز بھی نکلے گی مشکل سے

مری دنیا میں ''اکملت لکم'' کا مدعا ڈھونڈو
محبت ہے محبت کو بھی اس انسانِ کامل سے

شہادت کا شرف پایا تولاّ میں فنا ہوکر
اٹھے بھی ہم تو زندہ ہی اٹھے دنیا کی محفل سے

رسائی جس کی بابِ علم تک ہو اس کا کیا کہنا
بدلتا ہوں میں سب اپنا کلام آوازِ سائل سے

جگہ بزمِ غزل میں دیں نہ دیں وارفتۂ دنیا
مجھے ہے تجمؔ نسبت مدحتِ مولاؑ کی محفل سے

نبضِ مشیّت

مقتل میں ہیں حسینؑ یہ قدرت لیے ہوئے　　　دو انگلیوں میں نبضِ مشیت لیے ہوئے
دشمن ہیں تیغ و تیر کی طاقت لیے ہوئے　　　شبیرؑ ہیں مزاجِ نبوت لیے ہوئے
قرآن کی زبان بھی ہوتی نہ مستند　　　آتا نہ اگر حرفِ مودّت لیے ہوئے
ساری شریعتوں کا خلاصہ ہے ایک لفظ　　　کتنی نبوتیں ہے امامت لیے ہوئے
فتح عظیم کرب وبلا ان کے نام تھی　　　اصغرؑ ازل سے تھے یہ امانت لیے ہوئے
کیا کم یہ امتحاں ہے کہ انوارِ اہل بیتؑ　　　دنیا میں رہ گئے بشریت لیے ہوئے
نیند آئی ہے علیؑ کو عبادت بنی ہے نیند　　　کیا امتیاز ہے شب ہجرت لیے ہوئے
اکبرؑ کے ہمہمہ سے لرزتی ہے فوجِ شام　　　ہر لفظ ہے اذاں کی جلالت لیے ہوئے
بچ ہی گیا جہاں علی اصغرؑ کے وار سے　　　ہر بوند تھی لہو کی قیامت لیے ہوئے
انگڑائی لی ہے گھوڑے پہ حیدرؑ کے شیر نے　　　قامت ہے اختیارِ قیامت لیے ہوئے

شعر وسخن میں نجمؔ یہ ہیں بے نیازیاں
بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوّت لیے ہوئے

○

رازِ عزاداری

موسمِ غم آ گیا کر شکرِ احسانِ حسینؑ　　　اے سریر آرائے مجلس مرثیہ خوانِ حسینؑ
نالہ ہائے زیرِ لب کو قوتِ پرواز دے　　　نوعِ انسانی کے اِک اِک فرد کو آواز دے

بے خبر افراد کو رازِ عزاداری بتا
خندہ زن قوموں کو وجہ گریہ وزاری بتا

پیش کر صدہا برس کے ناشکستہ جوش کو
دعوتِ فکر و نظر دے اہلِ عقل و ہوش کو

منکرِ تاثیر کا بڑھ کر کلیجہ تھام لے
چیخ اٹھے گا شہیدِ کربلا کا نام لے

اسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر
اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر

نعرۂ یـــالیتــــنی میں روحِ معنی ڈال دے
قول کو شانِ عمل دے رنگِ استقلال دے

دشت و در کو آنسوؤں کی سیل سے پانی بنا
درد کو طوفانِ دل کو نوحِ طوفانی بنا

جوشِ غم کے بادلوں سے بجلیاں تخلیق کر
موت کی گہرائیوں میں زیست کی تحقیق کر

شانِ سالاری بتا ذہنِ علَم بردوش کو
دستگیری بھی سکھا کچھ دستِ ماتم کوش کو

سرفروشی جس کی ہے سرمایۂ نازِ حیات
اس کے لفظوں میں سُنا افسانۂ رازِ حیات

بات ایسی کہہ جو دستورالعمل ہو کام دے
کربلا سے جو تجھے پہنچا ہے وہ پیغام دے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابن علیؑ کے نام کا

فاقہ کش تاجدار

جمال ایسا کہ آسودہ نگاہیں بزمِ انور میں
جلال ایسا تکلم قید لب ہائے سخنور میں

وہ خاموشی جو قوت دار آوازوں پہ بھاری تھی
وہ گویائی کہ حکمت بولتی تھی جس کے پیکر میں

کرم ایسا کہ جس کے معترف تھے دشمنِ جانی
ابھی الفاظ ہیں محفوظ تاریخوں کے دفتر میں

جو سچ پوچھو خلافت کی علیؑ سے ہوگئی زینت
خلافت آئی تھی کیا لینے اس بے نفس کے گھر میں

علیؑ کے نام تک نے آفتوں میں دن گذارے ہیں
مگر پھر بھی نمایاں ہی رہا عالم کے منظر میں

علیؑ اے فاقہ کش اے تاجدارِ جانِ پیغمبرؐ
پئے تسکیں ضرورت تھی تری بزمِ پیمبرؐ میں
علیؑ اے زخمی روزِ اُحد اے حرزِ پیغمبرؐ
خدا معلوم کیا ہوتا نہ ہوتا تو جو لشکر میں
ترے آثار سے اسلام کی تاریخ روشن ہے
ترے ایثار کی تصدیق ہے قرآں کے دفتر میں
نہیں دل معترف تیرا تو پھر اسلام کا دعویٰ
خدا کے گھر میں سرقہ ہے نگاہ نکتہ پرور میں
تری تکبیر کی آواز میں تھی قوم کی قوت
تجھے میں ڈھونڈتا ہوں نعرۂ اللہ اکبر میں
ترے دم سے رہی اسلام میں روحانیت باقی
نہیں گم ہو کے رہتی سلطنت میں مال میں زر میں
نہ تھی تیری حکومت میں ہوا سرمایہ داری کی
چراغِ عافیت روشن تھا ہر مزدور کے گھر میں
غلاموں کو ہے مشکل پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا
قدم دوشِ ہوا پر تھے ترے میدان خیبر میں

ابھی ہیں تجھ سے وابستہ امیدیں قوم کی لاکھوں
لپٹ کر رہ گئیں قاتل کے زہر آلود خنجر میں

○

آخری سجدہ

رہروانِ راہِ آزادی کے تیور دیکھئے
جس میں اصغرؑ بھی ہیں وہ چھوٹا سا لشکر دیکھئے
کرلیا دل میں غمِ شبیرؑ نے گھر دیکھئے
خانۂ معبود کی دیوار میں در دیکھئے
ماتمِ شبیرؑ تیرہ سو برس طے کرچکا
سب کے قصے رہ گئے رستہ میں تھک کر دیکھئے
کل یہ دنیا زر کے بل پر تھی خلافِ اہلبیتؑ
آج کچلی جارہی ہے طاقتِ زر دیکھئے
بے غمِ شبیرؑ ملتا ہے گدازِ دل کہاں
جنگ اس غم نے بہت کی صلح بھی کر دیکھئے
خون دیتی ہے ابھی شبیرؑ کی خاکِ لحد
خاک میں بھی زندگی کے ہیں یہ جوہر دیکھئے
سوچئے یوں مقصدِ شبیرؑ و مفہومِ یزید
قافلہ اِک سمت اور اِک سمت لشکر دیکھئے
خون کی تحریر بن جائے گی ہر موجِ نشاط
جایئے جشنِ شہادت بھی منا کر دیکھئے

اللہ اللہ جادۂ پرچم کشائے کربلا
آج ہر انساں کا دل نقش قدم پر دیکھئے
زندگی کی عشرتوں میں جان رہ جاتی ہے کیا؟
چار دن موضوعِ دردِ غم سے ہٹ کر دیکھئے
اک طرف ارضِ نجف اک سمت ارضِ کربلا
نجم لہریں لے رہا ہے کیا مقدر دیکھئے

○

سلام

اہلِ دل اہلِ نظر آئینۂ رخسار آئے
کربلا سج گئی یثرب کے طرحدار آئے
ذہن میں اسوۂ شبیر کا معیار آئے
ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے
علیؑ اللہ کہے کوئی اگر مستِ ولا
قطع کردوں جو زباں پر مری انکار آئے
مقصد و منزلِ شبیرؑ سے ہمت لے کر
ایک کیا کتنے ہی منصور سرِ دار آئے
مطمئن قلعہ کی قوت پہ تھے خیبر والے
دل دھڑکنے لگے جب حیدرِ کرّار آئے
حق و باطل کے جدا کرنے کو اٹھے تھے حسینؑ
اقتضا وقت کا تھا بیچ میں تلوار آئے
مجھ کو ہے آلِ پیمبرؐ کی اسیری کا ملال
میرے کانوں میں نہ زنجیر کی جھنکار آئے
اہتمامِ شبِ ہجرت یہ علیؑ کے لیے تھا
نیند میں بھی خبرِ عالمِ بیدار آئے
صرف شبیرؑ سے معراج شہادت کو ملی
یوں تہ تیغ بہت صاحبِ افکار آئے
حیرتِ خیبر و خندق کا نہ پوچھو عالم
منزلِ صبر میں جب حیدرِ کرّار آئے
جاں نثارانِ علیؑ یہ بھی محبت ہے کوئی
نام جب لیجئے جب منزلِ دشوار آئے
جو بعنوانِ تجارت ہو محبت کیسی
کتنے مجلس میں بھی جنت کے خریدار آئے
ان شجاعانِ ازل کا ہوں میں بندہ اے نجم
تنِ تنہا بھی ہزاروں کو جو للکار آئے

○

آخری سجدہ

اثر شہادتِ عظمیٰ کا جاودانی ہے
غمِ حسینؑ ہے باقی جہان فانی ہے

حسینؑ نے جو دیا جان دے کے درسِ عمل
سمجھ لے کوئی تو دستورِ زندگانی ہے

قبول کی وہ جوانی کی موت اکبرؑ نے
کہ ان کے سوگ میں خود آج تک جوانی ہے

شہید ہو کے وہ اصغرؑ نے معرکہ جیتا
کہ جس کے سامنے ہر معرکہ کہانی ہے

لگا رکھا ہے غمِ کربلا کو سینے سے
بہت غموں سے مجھے طاقت آزمانی ہے

علیؑ کی مدح سے کیا دل بھرے گا دو دن میں
یہ سُن رہا ہوں کہ دو دن کی زندگانی ہے

تمام اجرِ رسالت ہیں ان کے قول و عمل
دلوں پہ جن کے مودت کی حکمرانی ہے

مری حیات ہی پر رشک ہے حریفوں کو
ابھی علیؑ کی محبت میں موت آنی ہے

شعورِ مدح بزرگوں کا فیض ہے اے نجم
زہے نصیب یہ اعزاز خاندانی ہے

○

سلام

ہم سمجھے تھے لہرائے گا کعبہ کی فضا پر
دل ٹوٹ پڑا جلوہ گہہِ کرب و بلا پر

شبیرؑ سا پھر کوئی مسافر نہیں آیا
کیا اوس پڑی جادۂ تسلیم و رضا پر

تطہیرِ گلستانِ سخن چاہیے یارب کچھ پھول چڑھانے ہیں مزارِ شہدا پر
آہیں غمِ سرورؑ میں کبھی ہیں کبھی آنسو فردوس کو بھی رشک ہے اس آب و ہوا پر
ایسی کسی منزل میں بلندی نہ ملی تھی عباسؑ کا احسان ہے معیارِ وفا پر
اب تک ہے تردد جنھیں لولاک لما پر وہ چیں بہ جبیں ہیں مرے اندازِ ثنا پر
چھوڑی نہ کسی حال میں بھی تعزیہ داری ہر حال میں بیٹھے رہے ہم فرشِ عزا پر
لا اسئلکم کہہ کے مودت جو طلب کی قرآں نے رکھا تاج سرِ اہلِ ولا پر
دروازۂ جنت سے پکارا تھا کسی کو میں دوڑ پڑا خازنِ جنت کی صدا پر
جب میں نے دعا کی تو زیارت کی دعا کی
اللہ کی رحمت ہے مرے دستِ دعا پر

○

سلام

ہر آہ مرے دل کی تولاّ کا نشاں ہو غم پرچمِ عباسؑ کے سایہ میں جواں ہو
شبیرؑ کی روداد ہو فطرت کی زباں ہو باز آئیں جو انساں تو فضا مرثیہ خواں ہو
سینوں سے مودّت کے تجلی جو عیاں ہو ٹوٹا ہوا دل بھی شرفِ کون و مکاں ہو
اللہ رے انصار کے افکار کی قوت جب روحِ سماعت علی اکبرؑ کی اذاں ہو
کیا پوچھتے ہو شانِ عملداری عباسؑ جس کے قد و قامت سے ہی لشکر کا نشاں ہو
میدان میں باطل کے لیے حجتِ آخر قدرت کا یہ منشا تھا کہ اصغرؑ کی زباں ہو
ہوتی ہے لطافت وہ عجب مدحِ علیؑ کی مفہوم پہ جب خلعتِ الفاظ گراں ہو
ہر دور کو ملتی نہیں تصویرِ پیمبرؐ وقت آئے نہ پھر ایسا نہ اکبرؑ سا جواں ہو

قرآن کا تفسیر کا دونوں کا وہ گھر ہے		قرآں کی زباں خلق میں جس گھر کی زباں ہو
پوچھیں جو ہو محشر میں نصیری تو نہیں تو		اس وقت نہیں میری زباں پہ ہو نہ ہاں ہو
اصغر کی شہادت پہ ہوا حق کا یہ فرمان		اب تیر نہ دنیا میں رہے اور نہ کماں ہو
ڈوبا ہوا اے نجم جو ہو عشقِ علی میں
دنیا میں اسے کیا خبرِ سود و زیاں ہو

○

سلام

یہ عبادت اور ہے یہ کجکلاہی اور ہے		زیرِ خنجر یہ نمازی یہ سپاہی اور ہے
اس کے آگے پست ہے ایثار کا ہر معرکہ		اس نے سر سجدہ میں رکھا ہوگیا سرِ معرکہ
کٹ گئیں سوکھی رگیں گردن پہ خنجر چل گیا		لے لیا آغوش میں زہراؑ نے منکا ڈھل گیا
آخری سجدہ دلیلِ کامرانی اب بھی ہے
سینۂ گیتی پہ نقشِ جاودانی اب بھی ہے

○

صراط صبر

حسینؑ رازِ حیات آشکار کرتے ہیں		ہر اختیار پہ موت اختیار کرتے ہیں
علی پہ ڈرتے ہوئے دل نثار کرتے ہیں		خزاں نصیب کو نذرِ بہار کرتے ہیں
حسینؑ موت کو بر روئے کار کرتے ہیں		نگاہِ زیست پہ بیگانہ وار کرتے ہیں

شقی شبیہِ پیمبرؐ پہ وار کرتے ہیں
خزاں پرست ہیں خونِ بہار کرتے ہیں

خوشی جہاں میں نہ تھی اہلِ بیتؑ کی خاطر
ہم ان سے رشتۂ غم استوار کرتے ہیں

ہزار ہوں جو سپاہی مقابلِ عباسؑ
یہ انگلیوں پہ انھیں بھی شمار کرتے ہیں

صراطِ صبر پہ دم لیتے ہیں جہاں شبیرؑ
تو اک محاربۂ یادگار کرتے ہیں

اسیرِ ظلم ہیں لیکن حسینؑ کے ہیں حرم
جہادِ صبر یہ مردانہ وار کرتے ہیں

قدم ہٹیں گے نہ انصارِ حق کے میداں سے
حسینؑ پرورشِ کوہسار کرتے ہیں

ہجومِ غم کو ہٹاتے ہیں یا علیؑ کہہ کر
ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں

ہوا و تختِ سلیماں و ابر و برق و براق
اطاعت شہِ دلدل سوار کرتے ہیں

حسین صرفِ خزاں کرکے اپنے گلشن کو
خدا کا دین سپردِ بہار کرتے ہیں

یہ مجلسیں نہیں پیمان ہیں اطاعت کے
یہ ہم حسینؑ سے قول و قرار کرتے ہیں

حُر اب دبا نہیں سکتا ضمیر کی آواز
بڑے عذاب سے شہؑ رستگار کرتے ہیں

علیؑ کے ذکر پہ ہو یا خدا کی قدرت پر
ہم ایک سجدۂ بے اختیار کرتے ہیں

کھلا ہے باغِ شہادت زہے عطائے حسینؑ
غلام کو بھی شریکِ بہار کرتے ہیں

یہ وقت پھر نہ ملے گا ابو البشر دیکھیں
حسینؑ شانِ بشر آشکار کرتے ہیں

غمِ حسینؑ نے دی ہے یہ معرفت ہم کو
گداز دل سے دلوں کا شمار کرتے ہیں

ہزار سال سے ہے انتظارِ صاحبِ عصر
زبان دی ہے کہ ہم انتظار کرتے ہیں

کمی ہے ذوق کی غیبت سے کچھ نہیں شکوہ
شکایتِ دلِ امیدوار کرتے ہیں

صلہ میں خلد وہ دیں گے تو نجم کہہ دیں گے
تمھارے نقشِ قدم پر نثار کرتے ہیں

○

پیامِ حریت

برتر از فکر و قیاس و فہم حیدرؑ ہوگئے
یہ پیمبرؐ ہوں نہ ہوں نفسِ پیمبرؐ ہوگئے

ذکر وجہ اللہ سے چہرے منور ہوگئے
نام نکلا منہ سے دل سینوں سے باہر ہوگئے

دل سے نکلے لب تک آئے وصفِ حیدرؑ ہو گئے
میرے جذبے موجہ تسنیم و کوثر ہو گئے

یہ بلندی فکر کی یہ عزم شیرا نہ تو ہو
نام حیدرؑ رکھ دیا ماں نے تو حیدرؑ ہو گئے

خانۂ معبود کی دیوار میں در ہوگیا
دل جو شوقِ دید میں آپے سے باہر ہو گئے

پرورش پائی نبیؐ کی گرمئ آغوش میں
خود علیؑ تھے بڑھ کے بازوئے پیمبرؐ ہو گئے

اہلبیتِؑ مصطفٰیؐ سے سیکھ شانِ خواجگی
حق کے بندے بھی رہے اور بندہ پرور ہو گئے

لے تجھے سجدے مبارک اے زمینِ کربلا
عرش جن کا آستاں ہے ان کے بستر ہو گئے

دینِ فطرت کا خلاصہ تھے حسینؑ ابن علیؑ
روحِ ملت بن گئے جانِ پیمبرؐ ہو گئے

تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے
صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے

کون لاتا جز حسینؑ آخر پیامِ حریت
یہ پیمبرؐ کے نواسے تھے پیمبرؐ ہو گئے

وہ بھی دن آئیں دلِ ملت سے آئے یہ صدا
نوجواں آمادۂ تقلیدِ اکبرؑ ہو گئے

خود پرستی رفتہ رفتہ حق پرستی بن گئی
نجم آخر شاعرِ آلِ پیمبرؐ ہو گئے

○

تاجِ مدحت

نویدِ لافتیٰ آئی علیؑ کی مدح خوانی میں
یہی ہمدوش تھے اسلام کی اٹھتی جوانی میں

زبانیں تھک گئیں جب زندگی کی ترجمانی میں
حسینؑ اٹھے عمل کی روح بھر دی زندگانی میں

بہت ہیں تہ بہ تہ طوفان دریا کی روانی میں
چھپی ہے جانفشانی اشکِ غم کی دُرفشانی میں

پلٹتا ہے کوئی ساحل سے یوں تشنہ دہانی میں
نگاہیں بھی علمبردار کی ٹھہریں نہ پانی میں

اسے بھی صرف کردوں میں علیؑ کی مدح خوانی میں
اگر توسیع ممکن ہو حیاتِ جاودانی میں

مودت کی بلندی تک پہنچ کر میری ہمت سے
محبت جاودانی ہوگئی دنیائے فانی میں

ذبیح کربلا کے اوج و رفعت کی جھلک دیکھو
اذاں کی سربلندی میں اقامت کی جوانی میں

نگاہوں میں ہے میری بائے بسم اللہ کا نقطہ — مجھے اب کیا تکلف ہو غرورِ نکتہ دانی میں
نبیؐ کی آل کو ارمان کیا ہوتا حکومت کا — یہاں عمریں گزاری ہیں دلوں پر حکمرانی میں
ذرا بڑھ کر مشابہ اور ہو جاتے پیمبرؐ سے — علی اکبرؑ نے اپنی جان ہی دے دی جوانی میں
مقدس بانکپن اے جمّ میرے تاجِ مدحت کا — کلاہِ خسروی میں ہے نہ دیہیمِ کیانی میں

○

بلندئ ہمت

سرور ہیں زیرِ تیغ یہ رفعت لیے ہوئے — کونین کا نظام حکومت لیے ہوئے
ہیں انبیاء بھی بزمِ ازل میں حسینؑ بھی — اٹھتا ہے کون بارِ امانت لیے ہے
اکبر پدر سے مانگنے آئے ہیں اذنِ جنگ — آئینۂ جمالِ نبوتؐ لیے ہوئے
قرآں کی بات کون سمجھتا بجز علیؑ — ہر لفظ ہے خزانۂ حکمت لیے ہوئے
تخلیق کا غرور ہے محشر میں جلوہ گر — اسوہ ہے اہل بیتؑ کا فطرت لیے ہوئے
باتیں علیؑ سے کرتا ہے مہمان عرشِ حق — کانوں میں لہجۂ لبِ قدرت لیے ہوئے
ہے مستقل سیاستِ شبیرؑ آج بھی — دنیا ہے روز ایک سیاست لیے ہوئے
اک دوش پر بلندئ مشکیزہ و علم — اک دوش پر بلندئ ہمت لیے ہوئے

○

تکرار تجلی

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں
دھبہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں

انسان تھے سب شامل شبیرؑ کے لشکر میں
نکلے یہ بہتر ہی دنیا کے بھرے گھر میں

حیدرؑ نظر آتے ہیں آغوشِ پیمبرؐ میں
تکرار تجلی ہے کعبہ کے نئے در میں

شبیرؑ بچالیں گے اسلام کو مٹنے سے
ان کا ہے بڑا حصہ احساسِ پیمبرؐ میں

مولا کے غلاموں میں جبرئیلؑ بھی ہیں میں بھی
بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں

سجدہ بھی ہے یکتا کا شبیرؑ بھی یکتا ہیں
ہو کون شریک ان کا ذوقِ تہ خنجر میں

قرآن ہے بے معنی عترت سے جدا ہوکر
جس گھر میں یہ آیا تھا معنی ہیں اسی گھر میں

شبیرؑ سیاست کا وہ قائدِ اعظم ہے
قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

ہے دین تہہ خنجر دنیا اسے کیا سمجھے
روشن ہے جو مستقبل بجھتے ہوئے تیور میں

معراج کی شب اپنے بستر پہ سہی لیکن
باتیں تو علیؑ کی تھیں اللہ و پیمبرؐ میں

اللہ نے اس دن کو بخشی تھی ید اللٰہی
کھل جائے گا دنیا پر ہنگامۂ محشر میں

بے حُبِ شہؑ مرداں توثیق نہیں ہوتی
یوں نام لکھا لیجیے اسلام کے لشکر میں

اشکِ غمِ سرور کے چھینٹوں سے فنا کردو
طوفاں ہے سیاست کے بے فیض سمندر میں

اے نجم میں شاعر ہوں سرکارِ امامت کا
نظمیں مری پہنچیں گی دربارِ پیمبرؐ میں

حوصلۂ منزل

دل مجلس و ماتم کا حاصل نظر آتا ہے
آنکھوں میں ہوں یہ آنسو جب دل نظر آتا ہے

رعبِ شہِ مرداں سے بسمل نظر آتا ہے
چٹکی میں درِ خیبر اک دل نظر آتا ہے

دیکھو کہ وصی وہ ہے وہ دوشِ نبوتؐ پر
جو مُہر نبوت میں شامل نظر آتا ہے

وہ جانِ ارادت ہوں اے اسوۂ شبیری
جو تیرا مخالف ہے قاتل نظر آتا ہے

بلغ پہ نظر پہنچا اے ناظرِ بے پردا
قرآں اسی منزل سے کامل نظر آتا ہے

شبیرؑ کی منزل کو سمجھا ہی نہیں کوئی
دنیا کا ہر اندازہ باطل نظر آتا ہے

سجدے کر اسی رخ پر اے کشتی بے ساحل
عباسؑ کے قبضہ میں ساحل نظر آتا ہے

کیا کہیے نصیری کو میکش ہے اسی گھر کا
پی لی ہے بہت اس نے غافل نظر آتا ہے

اللہ رے قربانی وہ خاکِ شفا ٹھہری
جس خاک کا ہر ذرہ بسمل نظر آتا ہے

ہے چشم حقیقت بیں ہر اہلِ عزا مجھ کو
شبیرؑ کے لشکر میں شامل نظر آتا ہے

قرآں نے سند مانگی حیدرؑ سے صداقت کی
آتا ہے جو اس در پر سائل نظر آتا ہے

گرتا ہوں تصور میں شبیرؑ کے قدموں پر
جب حوصلۂ منزل منزل نظر آتا ہے

دنیا کو مبارک ہو آنکھوں کی تن آسانی
مظلوم کو رونا بھی مشکل نظر آتا ہے

کیا جون سے رونق ہے انصار حسینؑ میں
رخسارِ شہادت پر اک تل نظر آتا ہے

عاشور کو تنہا ہے جو نرغۂ اعدا میں
یہ آدم و عالم کا حاصل نظر آتا ہے

شاید یہ فرشتوں نے سوچا ہو شبِ ہجرت
انسان خلافت کے قابل نظر آتا ہے

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربار حسینؑ کا
نجم اپنی حقیقت سے غافل نظر آتا ہے

○

فطرت اسلام

متاعِ ذہن میں جس دن مسلکِ شبیرؑ ہوجائے
لہو کا رنگ بدلے دل نیا تعمیر ہوجائے

اگر انساں کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہوجائے
شعورِ حریت دنیا میں عالم گیر ہوجائے

جھلک دے جائے اسوہ میں جہاں اندازِ شبیری
مسلماں فطرتِ اسلام کی تصویر ہوجائے

حسینیؑ عزم کی منزل ہو ایسا قصدِ منزل ہو
قدم رکھتے ہی جادہ جادۂ شمشیر ہوجائے

سبق لے کربلا سے کر وہ میدانِ عمل پیدا
جہاں ہر ایک نعرہ نعرۂ تکبیر ہوجائے

اگر منشائے فطرت خود نہ ہو کیونکر یہ ممکن ہے
کسی کی موت کا غم اور عالم گیر ہوجائے

حیاتِ جاودانی ہے غمِ شبیرؑ میں مرنا
دھنی قسمت کا ہے جو کشتۂ تاثیر ہوجائے

حسینیؑ بزم میں پہلو بچا کر بیٹھنے والے
خدا ایسا کرے یہ دردِ دامنگیر ہوجائے

کہاں تک یہ مروّت نجم اک دن حق کے منکر سے
خدا لگتی کہو جو دل کو لگ کر تیر ہوجائے

○

فتحِ عظیم

کیونکر نہ رنگ لاتا سردے کے گھر بچانا
اب سر ہیں اور سجدے کعبہ ہے آستانا

وہ مشک تشنہ لب پر اک تیر ظلم آنا
وہ نہرِ علقمہ کی نبضوں کا ڈوب جانا

ہاں اے شہید تیرے زخمِ دل و جگر سے
معمور ہورہا ہے اسلام کا خزانا

تو نفسِ مطمئن ہے درگاہِ ایزدی میں
مقبول تیرے آنسو ممدوح مسکرانا

قوموں نے تجھ سے سیکھی یہ شانِ خالقیت
اِک زندگی مٹا کر اک زندگی بنانا

وہ خاک و خوں کا تکیہ اللہ کی زمیں پر
پیغامِ عبدیت کا تا عرش آنا جانا

وہ ان کے ظلم پرور ہاتھوں میں تھرتھراہٹ
وہ تیرا دشمنوں کی تیغوں کو آزمانا

تو نے جگہ بنا دی جنگل میں کربلا کے
لوٹا جو بستیوں نے اسلام کا ٹھکانا

یہ عزم یہ تحمل یہ قوت ارادی
وہ آخری سپاہی جھولے سے لے کے آنا

عہدِ یزیدیت کی بنیاد ہل رہی تھی
صلِ علیٰ وہ تیرا نیزہ پہ لب ہلانا

اللہ رے صداقت سادات کے لہو کی
کیسا بھرا پڑا ہے اُجڑا ہوا گھرانا

خیبر کا دَر اٹھانا بابا کی فتحمندی
فتحِ عظیم تیری لاشِ پسر اٹھانا

اب مانتی ہے دنیا تیرے پیامِ حق کو
جب ماننے کے دن تھے دنیا نے جب نہ مانا

اے نجم بیٹھتے ہو اب کیا سنبھل سنبھل کر
آثار کہہ رہے ہیں اٹھنے کا ہے زمانہ

○

ولولۂ انقلاب

اب کیا مرے گناہ رہیں گے حساب میں
گھل مل گیا ہوں خاکِ درِ بوترابؑ میں

کتنی ہی سورتیں ہیں خدا کی کتاب میں
لاؤ کوئی شبیہہ نبیؐ کے جواب میں

بندے جنہیں کلامؑ ہے عترت کے باب میں
اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں

گزری ہے عمر بندگیٔ بوترابؑ میں
میں بھی شریک ہوں شرفِ آفتاب میں

یہ اپنی جان دے کے بچاتے نہ کس طرح
اسلام کمسنی میں تھا اکبرؑ شباب میں

تا شام روندتے ہوئے عابدؑ چلے گئے
کانٹے تھے پھول ولولۂ انقلاب میں

پروردۂ غدیر کی اللہ رے مستیاں
کوثر ڈبو دیا ہے ولا کی شراب میں
اقرار باللسان کر اے بندۂ خدا
رکھتا ہے اُلفتِ شۂ مرداں حجاب میں
اِک شہسوار راہِ تولاّ کو ہوش کیا
سنتا ہوں آسماں و زمیں ہیں رکاب میں
اصغرؑ بڑے بڑوں سے کچھ آگے نکل گئے
کیا گھٹنیوں چلے ہیں یہ راہِ ثواب میں
دل ہو نہ ہو زباں تو نصیری ضرور تھی
جب منہ کھلا کنندۂ خیبر کے باب میں
تحقیق کا جنون ہے فکرِ عمل نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو کرب و بلا کی کتاب میں
رفعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے نجمؔ
کھیلی ہے فکر دامنِ برق و سحاب میں

○

میدانِ عمل

قامت میں قیامت کا تو ہمسر نہیں ہوتا
کیسا ہی جواں ہو علی اکبرؑ نہیں ہوتا
بُت لاکھ بھی توڑے کوئی حیدرؑ نہیں ہوتا
وہ دوشِ پیمبرؐ تو میسر نہیں ہوتا
یہ شان ہوئی ختم حسینؑ ابن علیؑ پر
اب عشق کا سجدہ تہ خنجر نہیں ہوتا
ہم گود کے بچوں کو بھی کر دیتے ہیں شامل
جب تکملۂ قوتِ لشکر نہیں ہوتا
اُس کو مجھے دل کہنے میں ہوتا ہے تردد
جس دل میں غمِ سبطِ پیمبرؐ نہیں ہوتا
اس کیف سے محروم ہیں محرومِ تولاّ
آنکھوں میں چھلکتا ہوا کوثر نہیں ہوتا
آسان ہے قربانی وایثار پہ تقریر
میدانِ عمل کچھ سرِ منبر نہیں ہوتا
اے نجم جبیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی
میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا

○

اُسوۂ شبیرؑ

پاؤں عابدؑ کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے
پاؤں وہ پاؤں جو الجھا ہوا زنجیر میں ہے

یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے
روحِ احساس و عمل اسوۂ شبیرؑ میں ہے

اللہ اللہ یہ اجمالِ جمالِ قدرت
وسعتِ کون و مکاں چادرِ تطہیر میں ہے

ہوتی ہے شام کے دربار میں بے وقت اذاں
وقت ڈوبا ہوا سجادؑ کی تقریر میں ہے

جس کی وحدت میں ہو قرآن کا سارا مفہوم
ایسا نقطہ بھی کوئی کثرتِ تحریر میں ہے

ایک ہی شان عمل ہے وہ حسنؑ ہوں کہ حسینؑ
صلح میں بھی ہے وہی کاٹ جو شمشیر میں ہے

کچھ خبر بھی ہے تجھے قوم بنانے والے
کتنا معصوم لہو قوم کی تعمیر میں ہے

○

قرآن و عترت

ایک ہی گھر چاہیے قرآن و عترت کے لیے
تنگ دل حق سے دعا کر دل کی وسعت کے لیے

گر نہ آتا حکمِ قرآنی مودت کے لیے
تشنگی ہی تشنگی تھی ذوقِ فطرت کے لیے

یہ نہ کعبہ کے لیے ہے اور نہ جنت کے لیے
ہے قصیدہ میرا بابِ علم و حکمت کے لیے

یہ ترا ذوقِ عبادت اے حسینؑ ابن علیؑ
زیرِ خنجر بھی جگہ کرلی عبادت کے لیے

اے زہے شانِ شہادت بیعت کار حسینؑ
پھر نہ آیا آج تک پیغام بیعت کے لیے

جرأت عباسؑ تک پہنچے گی کیا عقلِ بشر
اک نیا موقف بنایا ہے شہادت کے لیے

ایک ہی مقصد ہے خلقت کا علیؑ ہوں یا نبیؐ
کیا امامت کے لیے اور کیا رسالتؐ کے لیے

آدمی کو کیا ہے نسبت نورِ اہلبیتؑ سے
ہم سے عاصی ہیں فروغِ آدمیت کے لیے

دل پہ ظاہر ہوگئے کیا کیا علیؑ کے مرتبے
لفظ اب ملتے نہیں اسرارِ قدرت کے لیے

اے خدا شامل ہے میری التجاؤں میں درود
یہ ستارہ بھیجتا ہوں بامِ قدرت کے لیے

آج کل اُلٹا ہی ہوتا ہے دعاؤں کا اثر
اب دعا مانگا کریں گے طولِ غیبت کے لیے

نجم میں ہوں شاعرِ بزمِ حسینؑ ابنِ علیؑ
میرا نغمہ ہے فقط سازِ حقیقت کے لیے

○

دردِ دامنگیر

ہے علیؑ کی مِلک یہ قرآن بھی شمشیر بھی
حاملِ قولِ سلونی بھی ہے خیبر گیر بھی

دہر میں ہے دہریت بھی اسوۂ شبیرؑ بھی
زندگی تخریب بھی ہے زندگی تعمیر بھی

فتحمندی کو ہے لازم قوتِ شمشیر بھی
اور اک پیرایۂ آغاز ہے زنجیر بھی

جب سے قتلِ سبطِ پیغمبرؐ پہ تکبیریں کہیں
گھٹ گیا اس دن سے زورِ نعرۂ تکبیر بھی

عزم خالص چاہیے حُر کے ارادہ کی قسم
بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

بے نیاز رنجِ دنیا ہوں غمِ شبیرؑ میں
یہ دوائے درد بھی ہے دردِ دامنگیر بھی

دیکھ کر اہلِ زمیں پر مرحمتِ شبیرؑ کی
دم بخود ہے عرش سے آئی ہوئی شمشیر بھی

آیۂ تطہیر کیا اعلان تھا تطہیر کا
اِذن لے کر گھر میں اُتری آیۂ تطہیر بھی

ظلم اس پر بھی ہوا ہے حرملہ کے ہاتھ سے
ظلم کی فریاد محشر میں کرے گا تیر بھی

○

فخرِ انساں

چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے
روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظِ قرآں لے گئے

روزِ محشر چاک دامن ماہِ کنعاں لے گئے
ہم غمِ شبیرؑ میں چاکِ گریباں لے گئے

فاطمہؑ کے لال سر دے کر وہ ساماں لے گئے
عرش کی بالیدگی تک فخرِ انساں لے گئے

اس بھری دنیا میں جو تھا ان کے شایاں لے گئے
مرتضیٰؑ آئے رضائے پاکِ یزداں لے گئے

کانپ اٹھی دنیا جب اصغرؑ تحفہ جاں لے گئے
اپنی شہ رگ کا لہوتا حدِ امکاں لے گئے

خشک و تر دونوں پہ قبضہ کرلیا عباسؑ نے
اپنے بازو دے کے یہ فخرِ نمایاں لے گئے

واقعاتِ کربلا شبیرؑ کے نقشِ قدم
حریت کی منزلوں تک ذہنِ انساں لے گئے

لے چلے اصغرؑ کو رکھ کر لاشِ اکبرؑ کی حسینؑ
ایک قرآں دے گئے اور ایک قرآں لے گئے

اب وہ راہوں میں تعب ہے اور نہ کانٹوں میں کھٹک
پائے عابدؑ کاوشِ خارِ مغیلاں لے گئے

آتے آتے رہ گیا عونؑ و محمدؑ کا شباب
چاندنی لوٹا کے دونوں ماہِ تاباں لے گئے

وہ جوانی کی اُمنگیں وہ جوانی کی بہار
موت کی تقریب میں شادی کا ساماں لے گئے

عمر بھر ان کو نہ بھولی اصغرِ ناداں کی یاد
عمر بھر کی زندگی دو دن کے مہماں لے گئے

وسعتِ اخلاقِ اسلامی کا عالم کیا کہوں
ہاتھ خالی ہیں مسلماں نا مسلماں لے گئے

اُسوۂ انصار

پھر نہ پیدا ہوا شبیرؑ سا شبیرؑ کوئی
ایسی دیکھی نہیں ایثار کی تصویر کوئی

اُمتِ جد کی محبت میں یہ پابندی تھی
ورنہ عابدؑ کو پنھا سکتا تھا زنجیر کوئی

دل کئے جیسے حسینؑ ابن علیؑ نے تسخیر
ملک اس شان سے کرتا نہیں تسخیر کوئی

سن وہ چھ ماہ کا وہ پیاس وہ آغوشِ پدر
علی اصغرؑ سا نہ ہوگا ہدفِ تیر کوئی

آج تک جس کا ہے تیرہ سو برس سے ماتم
یوں نہ دنیا میں ہوا کشتۂ شمشیر کوئی

دامنِ آل نبیؐ ہاتھ سے چھوٹے کیونکر
اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی

مرحبا اسوۂ انصارِ حسینؑ ابن علیؑ
ان کی تصویر سے ملتی نہیں تصویر کوئی

خون شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے
ایسی محکم نظر آئے گی نہ تعمیر کوئی

شامِ عاشور بڑھی اور بھی الجھن دل کی
نوکِ نیزہ پہ تھی کیا زلف گرہ گیر کوئی

خاک ہوجائے نہ جاکر درِ شبیرؑ پہ خود
لے کے کیوں آتا ہے خاکِ درِ شبیرؑ کوئی

دردِ دل دیدۂ گریاں سے ہو محروم اگر
دیکھ جائے غمِ شبیرؑ کی تاثیر کوئی

نجم شاعر ہے حسینؑ ابن علیؑ کے دَر کا
اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی

○

سرمایۂ شرافت

تنہا کھڑے ہیں درشۂ مرداں لیے ہوئے
لشکر فقط ہے دیدۂ حیراں لیے ہوئے

سینوں میں دل لیے ہیں کہ قرآں لیے ہوئے
سر پر ہیں سب حسینؑ کا احساں لیے ہوئے

اے کم نگاہ تجھ کو حقیقت کی کیا خبر
دامانِ اشکِ غم میں ہوں طوفاں لیے ہوئے

قرآن جس میں اترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں
تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآں لیے ہوئے

پیشِ حسینؑ حشر میں چپکا کھڑا ہوں میں
ہاتھوں پہ نذرِ دیدۂ گریاں لیے ہوئے

سینہ پہ زخمِ ماتمِ شبیرؑ دیکھ کر
اٹھے حریفِ درد نمکداں لیے ہوئے

ہم شان ہے علیؑ کا مشابہ نبیؐ سے ہے
نیزہ پہ کس کا سر ہیں مسلماں لیے ہوئے

اترا تھا کربلا میں بہتّر کا قافلہ
سرمایۂ شرافتِ انسان لیے ہوئے

معراجِ عرش و فرش ہے صحرائے کربلا
سجدہ ہے کس کا نذرِ دل و جاں لیے ہوئے

انسانیت کی روح ہے جسمِ حسینؑ میں
روحانیت ہے پیکرِ انساں لیے ہوئے

سجدے سے سر اٹھاتے ہی نورِ محمدیؐ
دامن میں تھا خزانۂ امکاں لیے ہوئے

کب تک ضعیف قوم رہیں گے جوان قوم
دل میں ولائے اکبرؑ ذیشاں لیے ہوئے

شبیرؑ خدا کا شیر ہے تنہا فرات پر
مشک و نشان و ساحلِ میداں لیے ہوئے

کب دیکھیے طلب ہو دیارِ حسینؑ سے
بیٹھے ہیں نجم نذرِ دل و جاں لیے ہوئے

○

علیؑ کا شباب

سبق حسینؑ کی محنت سے لو خدا کے لیے
لہو بہایا تھا کیا ارضِ کربلا کے لیے

علیؑ پرست کہو یا خدا پرست مجھے
پکارتا ہوں علیؑ کو مگر خدا کے لیے

شباب اور علیؑ کا شباب، کیا کہنا
خدا نے چھانٹ لیا جس کو لا فتا کے لیے

نظر میں اس کی یہ لذاتِ دنیوی کیا ہیں
وہ روزہ دار مزے جس نے ہل اتا کے لیے

کمی ستم کی کہیں بہر اہلِ بیتؑ نہ تھی — حسنؑ نے لطف مدینے میں کربلا کے لیے
حسینؑ کو جو ملے حق سے باپ ماں بھائی — نہ مصطفیٰؐ کے لیے تھے نہ مرتضیٰؑ کے لیے
کسی کا سر بھی نہ پہنچا زہے عروجِ کمال — علیؑ کے پاؤں بھی تھے دوشِ مصطفیٰؐ کے لیے
جہادِ نفس میں سجادؑ کو یہ فکر کہاں — بچھے ہیں راہ میں کانٹے برہنہ پا کے لیے
ملے نہ ہوں گے علیؑ کو وہ ماں کی گود میں بھی — مزے جو نیند کے بستر پہ مصطفیٰؐ کے لیے

جناب نجم یہ عزلت گزینیاں کب تک
یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لیے

○

غمِ لازوال

خیبر کے سامنے اسدِ ذوالجلال ہے — چہرہ اتر گیا ہے یہ دنیا کا حال ہے
اب ماتمِ حسینؑ کا تھمنا محال ہے — او ناشناس درد یہ غم لازوال ہے
ملتی نہیں جہان میں علیؑ کی مثال بھی — ہم نے تو یہ سنا تھا خدا بے مثال ہے
اصغرؑ کی تشنگی پہ سکینہؑ کی پیاس پر — صحرا کی نبض سست ہے دریا نڈھال ہے
حاشا میں ہمنوائے نصیری نہیں مگر — جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ذرا حسبِ حال ہے
پھر حشر ہے جو ذوقِ عمل ہوگیا کہیں — اب تک غمِ حسینؑ بحد خیال ہے
حُبِ علیؑ بھی ساتھ ہے اے بندۂ خدا — میداں یہ حشر کا ہے بڑی دیکھ بھال ہے
اصغر کے واسطے جو ہوا ہے سوالِ آب — یہ غیرتِ عراق و عرب کا سوال ہے
بہرنجات نجم کہوں کیوں حسینؑ سے — شاعر ہوں اہلِ بیتؑ کا صورت سوال ہے

○

جادۂ دشوار

اسلام اے حسینؑ ہے غمخوار آپ کا
کلمہ ہے ہر زبان پہ سرکار آپ کا

دنیائے حریت میں خود اپنی مثال ہے
یہ بیعتِ یزید سے انکار آپ کا

آتے ہوئے شباب کو شاید خبر نہ تھی
سینہ پہ برچھی کھائے گا دلدار آپ کا

دو دن کی پیاس میں بھی تھے چہرے کھلے ہوئے
لہرا رہا تھا دھوپ میں گلزار آپ کا

جلتی ہوئی وہ ریت وہ سجدے وہ تشنگی
وہ نینوا کی خاک پہ رخسار آپ کا

شکرِ خدا زبان پہ یادِ خدا میں دل
تیغوں کی چھاؤں پیکرِ خونبار آپ کا

سجادہ کس کے خون سے رنگیں ہے اس طرح
برحق ہے نام سیّدِ ابرار آپ کا

دنیا پہ کی نگاہ جو عشرے کی شام نے
نکلا ہر اک غلام وفا دار آپ کا

آنکھوں میں اشک سینوں میں دل بے قرار ہیں
جس دن سے کربلا میں ہے دربار آپ کا

مظلومیت ہے نازشِ ملت بنی ہوئی
ایک ایک باخبر ہے پرستار آپ کا

کل قید میں تھے آپ کے اہلِ حرم تمام
ہر اہل دل ہے آج گرفتار آپ کا

آج اس پہ گامزن ہیں ہزاروں دماغ و دل
رستہ بتا گیا ہے جو بیمار آپ کا

عیدین میں زباں پہ زیارت ہے آپ کی
لپٹا ہوا ہے سینوں سے ایثار آپ کا

تیرہ سو سال ہوگئے اللہ رے وفا
اب تک علم لیے ہے علمدارؑ آپ کا

سر کو قدم بنا کے بھی ملت نہ بڑھ سکی
طے ہوسکا نہ جادۂ دشوار آپ کا

اب جلد آستانے پہ اپنے بلایئے
کب تک جئے یہ نجم گنہگار آپ کا

○

سلام

اے امامِ عصرِ حاضر تجھ پہ ملت کا سلام
بادشاہِ وقت افسردہ رعیت کا سلام

درد کے طوفاں کا فریادی سفینوں کا سلام
چارہ گر ٹوٹے دلوں کے آبگینوں کا سلام

سیکڑوں جُرمِ محبت کے شہیدوں کا سلام
آرزوئے انتقام دیدۂ غم کا سلام

وارثِ شبیرؑ کو شبیرؑ کے غم کا سلام
آرزوئے انتقامِ دیدۂ نم کا سلام

خون رلوایا ہے جس نے اس زمانے کا سلام
جس میں زینبؑ قید تھیں اس قید خانے کا سلام

تجھ پہ تیرہ سو برس کے درد پنہاں کا سلام
کر دیا دو جس کو اس ترتیب قرآں کا سلام

آج تک بدنام ہے جو اس خلافت کا سلام
مسخ کر دی جس کی صورت اس شریعت کا سلام

اس کی قسمت جو بشر تیرا زمانہ پائے گا
ہم غریبوں کی لحد تک بھی یہ مژدہ آئے گا

○

سلام

صاحبِ طورِ تجلی کوہساروں کا سلام
باغبانِ حکمت و قدرت بہاروں کا سلام

اہلِ دل کی گرم سانسوں سرد آہوں کا سلام
اے بلندی کے نشاں نیچی نگاہوں کا سلام

کاروانِ دل کے رہبر دل کے داغوں کا سلام
آفتابِ حسن داغوں کے چراغوں کا سلام

بے لبوں کا بیکسوں کا خستہ حالوں کا سلام
تیری خاطر جینے والوں مرنے والوں کا سلام

سر بسجدہ آسمانوں کا زمینوں کا سلام
شکر کی منزل کا سجدوں کا جبینوں کا سلام

میکدہ تیرا سلامت سرفروشوں کا سلام   تیرے کوثر کے غدیری بادہ نوشوں کا سلام

اک توجہ اک نظر کے تشنہ کاموں کا سلام

رفعتِ کونین کے مالک غلاموں کا سلام

○

سلام

بارہا اٹھے فتنے بارہا سنبھالا ہے   کیا حسینؑ کے ہوتے دین مٹنے والا ہے

حیدری نشاں جس نے دوش پر سنبھالا ہے   کیا بلند منزل ہے کیا بلند بالا ہے

ہے یزید کاری بھی اسوۂ حسینؑ بھی   زندگی اندھیرا ہے زندگی اجالا ہے

جی کے مرنے والوں کو اس بشر سے کیا نسبت   جو حسینؑ کے غم میں مر کے جینے والا ہے

موت کی حقیقت کیا جو حسینؑ تک آتی   موت کے گریباں میں خود ہی ہاتھ ڈالا ہے

چھا گئی ہے یوں ہیبت بازوئے حسینؑ کی   جیسے آج دریا کا رخ بدلنے والا ہے

جب حسینؑ آئے ہیں منزلِ شہادت میں   کلمۂ شہادت کا جب سے بول بالا ہے

دل سے لو نکلتی ہے جب حسینؑ کہتا ہوں   کام کا تو کیا کہنا نام سے اجالا ہے

کربلا نوازوں کی موت زیست کیا کہنا   کوئی جینے والا ہے اب نہ مرنے والا ہے

آج دن ہے عشرہ کا خونِ آدمی کیسا   آج آدمیت کا خون ہونے والا ہے

اس فضا میں بھی پیاسے رہ گئے علیؑ اصغرؑ   کوفیوں کے لشکر میں حُر کا بھی رسالا ہے

نجم ہو اگر نسبت اسوۂ حسینؑ سے

ایک شعر مدحت میں خلد کا قبالا ہے

○

سلام

فرماتے تھے شہؑ روکے نہ کوئی آتا ہے اگر حرؑ آنے دو
اک درسِ عمل ہو جائے گا یہ راز خدا کھل جانے دو

فرماتے ہیں بھائی سے سرورؑ غصہ نہ کرو تم جانے دو
اٹھواتے ہیں خیمے دریا سے خیر ان کی خوشی اٹھوانے دو

عباسؑ سے شہؑ نے فرمایا ان کو نہ بس اب شرمانے دو
گل شمع کرو تم جلدی سے جاتے ہیں جو اس تو جانے دو

جو تیر اُدھر سے آتا ہے لیتے ہیں یہ اپنے سینہ پر
ہیں جون و وہب شہؑ کے آگے وہ شمع ہیں یہ پروانے دو

زینبؑ نے کہا عباسؑ سے یہ بچے ہیں نہ ان کی بات سنو
میدان میں تم جاؤ بھائی اب مجھ کو انھیں سمجھانے دو

زہراؑ نے کہا کیا فکر ہے اب کافی ہے مجھے بس حشر کے دن
بخشائش امت کی خاطر عباسِ علی کے شانے دو

بانوؑ نے کہا یہ اکبرؑ سے ہاں شوق سے جاؤ میداں میں
بالوں میں تو میں شانہ کرلوں زلفوں کو مجھے سلجھانے دو

○

سلام

غمِ شبیرؑ ہدایت کا نشاں آج بھی ہے
مجھ سا نا فہم فقط نالہ کناں آج بھی ہے

آج شبیرؑ نہیں ہم نے یہ مانا لیکن
اس کا غم ہے جو ہمارا نگراں آج بھی ہے

کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق
کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے

سامنے وہ نہ سہی حسنِ عمل ہے اس کا
غمِ شبیرؑ میں دل مرثیہ خواں آج بھی ہے

منتیں بھی ہیں مرادیں بھی عزاداری میں
اپنی تسکین کا احساسِ گراں آج بھی ہے

○

سلام

محمدؐ عربی کا جواب ہو نہ سکا
کوئی رسول رسالتمآبؐ ہو نہ سکا

حسینؑ سے جہاں انتساب ہو نہ سکا
شعورِ درد کبھی کامیاب ہو نہ سکا

زہے شہادتِ عباسؑ و اکبرؑ و قاسمؑ
پھر ایسا مصرفِ عہدِ شباب ہو نہ سکا

یہ اتحادِ عمل تھا کہ مرتضٰیؑ کے سوا
کسی کا نفسِ پیمبرؐ خطاب ہو نہ سکا

سخن طرازیِ مدّاحِ اہلِ بیتؑ نہ پوچھ
زبانیں قطع ہوئی سدِ باب ہو نہ سکا

علیؑ نے خاک نشینوں کی آبرو رکھ لی
کوئی خدا کا ولی بوترابؑ ہو نہ سکا

مرا ترانۂ مدحت گیا درود گیا
خیالِ غیر جہاں باریاب ہو نہ سکا

ملی نہ اسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک
یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا

ازل میں پی کے جو اٹھا تو پھر غدیر میں پی
مری طرح کوئی مستِ شراب ہو نہ سکا

غریب سارا جہاں ہے امیر صرف علیؑ
ستم ہے ان سے اگر انتساب ہو نہ سکا

○

سلام

وہیں تک رونقِ دینِ خدا ہے
جہاں تک اعتبارِ کربلا ہے

پیمبرؐ سے بھی جو ناآشنا ہے
حسینؑ ابن علی کو جانتا ہے

بہت ہیں ایسے اہلِ دل جنھوں نے
محبت میں تقیہ کرلیا ہے

جو ماتم کی دھمک سے بھی نہ چونکا وہ خوابِ مرگ میں سویا ہوا ہے
امامت ہے بہرصورت رسالت مگر ہاں نام کچھ بدلا ہوا ہے
پئے جاتا ہوں صہبائے مودت شعورِ مدح ساغر بن گیا ہے
بنایا ہے غمِ شبیرؑ نے دل نہ سمجھو میرا دل ٹوٹا ہوا ہے
دلوں کی روشنی میں شامِ عاشور چراغ خیمۂ شہؑ بجھ گیا ہے
نظر ڈالے ذرا پستی پہ اپنی وہ ملت جس کو نازِ کربلا ہے
قدم ساحل کے موجیں چومتی ہیں لبِ ساحل علم لہرا رہا ہے
دھڑکتے ہیں فضائے کربلا میں وہ دل جن کو زمانہ ڈھونڈتا ہے
علیؑ اصغر کی منزل کچھ نہ پوچھو یہ تربت کربلا در کربلا ہے
یہاں کیجیے نہ سجدوں کی نمائش حسینیؑ آستاں دل مانگتا ہے
انا کا ہوش ہے نشہ کی توہین علیؑ کے نام کا پیالہ پیا ہے
خبر بھی ہے تجھ ہمنام عباسؑ کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

اجل جب چاہے منہ پر مُہر کردے
علیؑ کا نام دل پر لکھ گیا ہے

○

سلام

راکبِ دوشِ نبیؐ ہے ذات والائے حسینؑ کس بلندی سے اتر کر زیرِ تیغ آئے حسینؑ
کربلا کے معرکے کی حد کسے معلوم تھی وقت پر اصغرؑ کو جھولے سے اٹھا لائے حسینؑ
ساری دنیا آج ہے شخصی حکومت کے خلاف پھر کہاں اس کا ٹھکانہ جس کو ٹھکرائے حسینؑ

اس کے دستور العمل میں تھی حیات اسلام کی
ورنہ تھیں سو طاقتیں زیرِ کفِ پائے حسینؑ

حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
مل کے ان اجزاء سے بنتی ہے تولائے حسینؑ

حوصلہ اپنا بڑھایا ان کے ذکرِ افکار سے
وقت نازک آپڑا جب سب کو یاد آئے حسینؑ

کتنے درد و غم تھے شامل اک غمِ اسلام میں
عارفانِ غم سے پوچھو رازِ غم ہائے حسینؑ

روئے زیبائے پیمبرؐ رونقِ کون ومکاں
رونقِ دوشِ پیمبرؐ روئے زیبائے حسینؑ

دشتِ غربت تشنگی قربانیوں کا سلسلہ
کن اداؤں میں ہوئی تکمیل منشائے حسینؑ

اپنے حق کی سعی کو مظلوم انساں چل پڑے
شمع روشن بن گئے نقشِ کفِ پائے حسینؑ

نام کا کہنا ہی کیا ہے کام بھی اچھے رہیں
آدمی سمجھے اگر مفہوم و معنائے حسینؑ

کیا ضرورت آپڑی دنیا کو تیرے خون کی
فاطمہؑ کے لاڈلے زینبؑ کے مانجائے حسینؑ

پہلے ہی قبضہ دلوں پر تھا شہادت جب ملی
درد بن کر روحِ انسانی میں در آئے حسینؑ

راہ گم ہی کر چکا تھا کارواں اسلام کا
مل گئے تقدیر سے نقشِ کفِ پائے حسینؑ

بن گئی انسان کا معبد زمینِ کربلا
مجسّم جب عزم و عمل کی زندگی لائے حسینؑ

سلام

کوئی واقف نہ تھا اس لذتِ تاثیر سے پہلے
بہت غم زندگی میں تھے غمِ شبیرؑ سے پہلے

نہ آیا یوں کوئی میداں میں خیبر گیر سے پہلے
زمیں تھرا رہی تھی مصرفِ شمشیر سے پہلے

نبیؐ نے روز خندق یاد دلوایا خطاب ان کا
علیؑ ایمان کل تھے دین کی تعمیر سے پہلے

بنایا فاعلِ مختار پھر مومن کو قدرت نے
جکڑ کر حبِ اہلِ بیتؑ کی زنجیر سے پہلے

یہ نعرے یا رسول اللہ کے جب کام آئیں گے
تعارف ہو رسول اللہ کی تصویر سے پہلے

ضرورت ہے مصلے کی فضا میں قوتِ دل کی
مسلماں یا علیؑ کہہ نعرۂ تکبیر سے پہلے

محمد اور علیؑ دونوں تھے شامل نورِ واحد میں
یہی کونین تھے کونین کی تعمیر سے پہلے

منافق کس قدر تھے صدر میں اسلام کے یارب
رواں قرآن کی تفسیر میں تفسیر سے پہلے

خلوصِ عزم و اخلاص عمل تھا فرض ملت کا
ہوئی اغراض کی تعمیر اس تعمیر سے پہلے

کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا
نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے

سفر میں کربلا کے گردشِ تقدیر کیا کرتی
میں آگے بڑھ چکا تھا گردشِ تقدیر سے پہلے

عطا کی میرزائی نجم کو پھر مدح کی نعمت
کیا ممتاز قدرت نے زبانِ میرؔ سے پہلے

سلام

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی
غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بتانے کی

خبر ہے شام کو اہلِ حرم کے آنے کی
زمینِ سحر سے لرزتی ہے قید خانے کی

بجز حسینؑ ضرورت کسے ہوئی محسوس
شعورِ جذبۂ انسانیت جگانے کی

سرِ حسینؑ نے تبلیغ کی ہے نیزے سے
خصوصیت ہے یہ اسلام کے فسانے کی

ہوئی کسی کو نہ ہمت سوائے اصغرؑ کے
گلے پہ تیرِ ستم کھا کے مسکرانے کی

حسینؑ فکرِ شہادت میں خود ہی تھے ورنہ
کسے مجال تھی تیغِ ستم اٹھانے کی

سلام

نامِ اکبرؑ اختصارِ نعرۂ تکبیر ہے
اختصار ایسا کہ وسعت جس کی عالم گیر ہے

پیکرِ نازک خدا کے نور کی تعمیر ہے
کیا خبر اس روپ میں قرآن ہے تفسیر ہے

کس کی آغوشِ مطہر میں ہیں اکبرؑ دیکھنا
وہ ہے کس کا ہاتھ جو یوسفؑ کا دامن گیر ہے

سر بسر تنویر کہنا ہے خلافِ معرفت
شاعر نافہم وہ صورت گرِ تنویر ہے

اب وہ اکبرؑ ہوں کہ اصغرؑ منزل ایثار میں
مختلف پہلو ہیں لیکن ایک ہی تصویر ہے

پھر یہودی قصرِ گمنامی سے ابھرے ہیں مگر
دینِ اسلام خدا محرومِ خیبر گیر ہے

○

سلام

غم شہیدِ کربلا کا جاوداں ہوکر رہا
کارواں در کارواں در کارواں ہو کر رہا

شام کی ظلمت نے روکا صبح تک حر کو مگر
وہ حسینؑ قافلہ کا ہم عناں ہوکر رہا

اے زہے شوق شہادت کمسنی کیا روکتی
جذبۂ قلبِ علیؑ اصغر جواں ہوکر رہا

صبرِ عابدؑ نے کیے محکم اصول اسلام کے
ناتواں صورتِ گر تاب و تواں ہوکر رہا

عرش کی پرواز جس ہوں ہم صفیرِ جبرئیلؑ
میں بھی اک پروانۂ آتش بجاں ہوکر رہا

ہم علیؑ والوں نے پروا ہی زمانے کی نہ کی
مہرباں ہوکر رہا نامہرباں ہوکر رہا

ہم سے پوچھو کیا ہوا حال عدوئے اہل بیتؑ
جل کے مرنا بھی نہیں آیا دھواں ہوکر رہا

منزل عزو شرف میں جذبۂ عشقِ علیؑ ہم صلوٰۃ وہم صیام وہم اذاں ہوکر رہا
اک زمانہ تھا مخالف جس کا وہ ذکرِ حسینؑ جان جاں ہوکر رہا جانِ جہاں ہوکر رہا
وہ علم جس کو جگہ دی دوش پر عباسؑ نے عظمتِ اسلام کا نام و نشاں ہوکر رہا
نجم شاعر ہے علیؑ کا سب سے کمتر ہی سہی
نکتہ داں ہو کر سدھارا نکتہ داں ہوکر رہا

○

سلام

سینوں میں دل دہل گئے نیزہ پہ سر دیکھ کر فاطمہؑ کے چاند کو خون میں تر دیکھ کر
آگئی آخر سحر قتل کی شبیرؑ کے چیخ اٹھی عشرے کی شب روئے سحر دیکھ کر
آیا جو دربار میں اصغرؑ مہ رو کا سر سنتے ہیں تھرا گئے بانیٔ شر دیکھ کر
لاشۂ اکبرؑ پہ جب سیّد والا گئے
صبر کیا کس طرح زخمِ جگر دیکھ کر

○

سلام

دو اشک نہ ٹپکے جب آنکھوں کا بھرم کیا ہے
اٹھا جو نہ ماتم کو اس ہاتھ میں دم کیا ہے

والعصر ہے قرآں میں یہ قول وقسم کیا ہے
اس رخ سے ذرا دیکھو شبیرؑ کا غم کیا ہے

نعت غمِ سرورؑ کی دل میں مرے کم کیا ہے
غم لاکھوں ہوں دنیا کے گنجائشِ غم کیا ہے

میں آپ سے باہر ہوں نشہ ہے یہ مدحت کا
کیوں تیرا ارادہ اب رفتارِ قلم کیا ہے

سینہ میں امانت رکھ شبیرؑ کا غم اے دل
پرسش نہ ہو محشر میں سرمایۂ غم کیا ہے

کس درجہ ہے بیگانہ مولاؑ کے تقرب سے
سمجھا ہی نہیں واعظ مفہومِ ارم کیا ہے

صدیوں کے برابر تھی عاشور کی اک ساعت
اس دن کے مقابل میں تاریخِ امم کیا ہے

عباس کی مٹھی میں ہے قوم کا مستقبل
اسلام کی عزت ہے کاندھے پہ علم کیا ہے

وہ ضبط اسیروں کا میداں کا وہ سناٹا
یہ شام غریباں کا خاموش ستم کیا ہے

بخشے تو گئے ہوں گے کچھ ہم سے خراباتی
تاریخ مودت کی اے لوح وقلم کیا ہے

خاموش جو سنتے ہیں عترت کے مصائب کو
ان سے یہ کوئی پوچھے تائیدِ ستم کیا ہے

مدحت کی جوانی ہے پیری ہی سہی میری
احباب نہ یہ سمجھیں اب جسم میں دم کیا ہے

سلام

جب چھین لی عباسؑ نے اعدا سے ترائی
اسلام کی کشتی لبِ ساحل نظر آئی

جس شعر میں شان اس کے تصور کی در آئی
عباسؑ کی تصویر سے تصویر اتر آئی

بھرائی ہوئی آنکھ سے مطلب نہیں اے دوست
ورنہ غمِ شبیرؑ میں ہر آنکھ بھر آئی

نافہم نصیری کی ادا بھاگئی دل کو میں سوچ رہا ہوں کہ یہ دولت کدھر آئی
اب ہم میں نہیں جذبۂ انصارِ حسینؑ اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی
مدحت مرا موضوع ہے لے میری تولا مقبول شریعت ہے مری نغمہ سرائی
شبیرؑ سے صابر نے بھی تلوار اٹھائی اب صبر کہاں بات جب اسلام پہ آئی
اسلام کی تاریخ ہے عاشورِ محرم پھر ایسی نہ شب آئی نہ ایسی سحر آئی
حُر چونک اٹھا لہجۂ محبوبِ خدا پر اکبرؑ کی اذاں لشکرِ دشمن میں در آئی
سجدے میں اترتی رہیں جن کے لیے آیات میدان میں جب آگئے تلوار اتر آئی
دنیا میں بتانے غمِ شبیرؑ کو اپنا اپنا جسے سمجھا ہے یہ دنیا ہے پرائی

عباسؑ نے انگڑائی جو لی جوشِ وغا میں
تاریخِ محبت لبِ دریا ابھر آئی

○

سلام

اسی کے گھر میں رسالت بھی ہے امامت بھی یہ اعتبار خدائے بزرگ و برتر ہے
نبیؐ کی طرح وہ سمجھا ہے عظمتِ زہراؑ شریک قسمت زہراؑ جو شیرِ داور ہے
اسی کے گھر سے ہوا صبر و ضبط کا آغاز یہ صبر کشتیِ دینِ خدا کا لنگر ہے
گلا حفاظتِ زنجیر سیم و زر میں نہیں غلام ہم بھی ہیں اس کے یہ فضلِ داور ہے
دیا ہے ہم نے مودت لقب زراہِ ادب ہماری زیست محبت کی زندگی پر ہے
ہم اہل بیت کے ہیں ایسے ماننے والے کہ جن میں میثم تمآر سا دلاور ہے
ہے اس کے در پہ کہاں عام خادموں کی جگہ جہاں بلال ہے سلمان ہے ابو ذر ہے

مباہلہ کی فضا بھی ہے دیدنی اے دوست
اس ایک لفظ میں اس کی ثنا کا دفتر ہے

شریک وہ بھی ہے ملت کی رہنمائی میں
محلِ فخریہ اسلام کا مقدر ہے

خدا کے اذن سے حاضر ہوئے ہیں روح امیں
قیام پھر بھی پئے اذن اس کے در پر ہے

بڑے بڑوں کو ہے فکرِ غلامی قنبر
سنا ہے جب سے غلام اس کے گھر کا قنبر ہے

غلط مثال سے ڈر ہے زباں نہ جلجائے
کہوں یہ کیسے وہ تقدیر کا سکندر ہے

قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار
مجھے یقیں ہے یہی عزم ہر سخنور ہے

○

سلام

شبیرؑ کے قبضے میں حیاتِ ابدی ہے
ملت کے لیے موت کی تکلیف سہی ہے

کیا مقتلِ سرور کی فضا چیخ اٹھی ہے
اک آہ ابھی شامِ غریباں نے سنی ہے

تیرہ سو برس میں ہوئے کیا کیا نہ تغیر
کہہ دے کوئی شبیرؑ کے ماتم میں کمی ہے

قصدِ حرم اور ترک گزرگاہ مودّت
اے رہرو کج فہم یہ بے راہ روی ہے

دوگام چلے تو کوئی عباسؑ کے مانند
کاندھے پہ بھری مشک ہے اور تشنہ لبی ہے

شبیر کے خطبہ سے ہے لرزاں شبِ عاشور
مجرم کی طرح شمع کی لو کانپ رہی ہے

اقوال حسینیؑ ہیں عمل غیرِ حسینیؑ
یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے

آغوش میں شبیرؑ لیے آتے ہیں کس کو
کیا جنگ کے میدان میں اصغرؑ کی کمی ہے

شبیر نے سر دے کے بچایا ہے جو اسلام
دشمن کے لیے بھی یہ قیامت کی گھڑی ہے

یہ حریتِ فکر یہ بیداریِ اقوام
اک کوشش تقلید حسینؑ ابن علیؑ ہے

زنجیر کی جھنکار ہو یا دعوتِ شمشیر ۔۔۔ جو کچھ ہے اسی سلسلۂ حق کی کڑی ہے
یہ صبر یہ احساس یہ ہمت یہ شجاعت ۔۔۔ شبیر کا اک جلوۂ آیاتِ جلی ہے
بندہ میں اور آقا میں مساوات کی تحریک ۔۔۔ یہ جون کے اعزاز کی اک جلوہ گری ہے
اس ملک میں اٹھے ہیں نشان نصرتِ حق کے ۔۔۔ عباس کے پرچم کی جہاں چھوٹ پڑی ہے
کیا حق کی طرف موڑ دیا ذوقِ عمل کو ۔۔۔ جذبات کی رو بدلی ہے انسان وہی ہے
اس طرح بدل دیتے ہیں دنیا کو مجاہد ۔۔۔ کل تک جو بغاوت تھی وہ اب حق طلبی ہے
شبیرؑ کی انگشت شہادت کے سہارے ۔۔۔ آزادی کے سورج کی کرن پھوٹ رہی ہے

اردو میں ہے اے نجم مری نغمہ سرائی
نغمہ عجمی اور نہ لہجہ عربی ہے

○

سلام

دیکھ کر غمگیں تبسم عابدؑ بیمار کا ۔۔۔ منہ اتر جائے گا زنداں کے در و دیوار کا
عبدیت کے رخ سے جب پردہ اٹھا اسرار کا ۔۔۔ ایک بھی سجدہ نہ تھا شبیرؑ کے معیار کا
بے شمار آنسو امانت ہیں غمِ شبیرؑ کے ۔۔۔ کیوں نہ ہوں ممنون دل کے زخمِ دامن دار کا
دیکھ کر مولا علیؑ کی شخصیت کو بے مثال ۔۔۔ مسئلہ حل ہوگیا توحید کے اقرار کا

مرضیٔ شبیرؑ کی حد پر قیامت رک گئی
ورنہ حملہ تھا قیامت ثانیٔ کرار کا

○

سلام

اس شان کا رہبر بخدا ہو نہیں سکتا
شبیرؑ کا نقشِ کفِ پا ہو نہیں سکتا

دہرائی نہ جائے گی یہ تاریخِ محبت
عباسؑ سا اب اہلِ وفا ہو نہیں سکتا

تم نامِ علیؑ لے کے اٹھو پھر نہ کہو گے
نالہ کوئی تا عرش رسا ہو نہیں سکتا

شاہوں کا بھی مشکل ہے گزر بابِ نجف تک
ہر شاہؑ بھی اس در کا گدا ہو نہیں سکتا

دنیا پہ وہ احسانِ حسینؑ ابن علیؑ ہے
بک جائیں دو عالم تو صلا ہو نہیں سکتا

ایمان کا جذبہ دلِ مسلم میں ہے لیکن
بے حب علیؑ نشو و نما ہو نہیں سکتا

مولاؑ کی مودت کو نہ سمجھے جو عبادت
بندہ وہ خدا کا بخدا ہو نہیں سکتا

جھکتے ہیں سرِ عرش نشاں در پہ علیؑ کے
کم ظرف یہاں ناصیہ سا ہو نہیں سکتا

حق یہ ہے کہ شبیرؑ کے ہاتھوں پہ بھی کچھ اور
اصغرؑ کے ارادے کے سوا ہو نہیں سکتا

اے نجم سوال آئے اگر لطف و کرم کا
مولاؑ کی زباں پر کبھی لا ہو نہیں سکتا

○

سلام

قیامت ہے جو بیگانہ رہے آلِ پیمبرؐ سے
یہی بندے تو واقف ہیں مزاجِ بندہ پرور سے

شرف پایا اسی نے دفن کرنے کا پیمبرؐ کے
جو واقف تھا مقامِ امتزاجِ روح و پیکر سے

ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے
نبیؐ لائے تھے اپنا جانشیں اللہ کے گھر سے

نبیؐ کا نور آئینہ ہے اسرارِ الٰہی کا
وہ آئینہ کہ جس نے کی ہیں باتیں آئینہ گر سے

نشانی فاتحِ اعظم کی جاکر پوچھ لے کوئی
احد سے بدر سے صفین سے خندق سے خیبر سے

نظر آئی علیؑ اصغرؑ میں نفسِ اللہ کی قدرت
خراجِ اشک آیا جب ستم گاروں کے لشکر سے

سلام

عشرہ کی صبح نعرۂ تکبیرِ اکبری
تھرا گئے فضا میں قدم آفتاب کے

کیا منتخب جری تھے شہِؑ کربلا کے ساتھ
قائل تو ہم بھی ہیں مگر اس انتخاب کے

ذکرِ حسینؑ مظہرِ اُم الکتاب ہے
یہ لاڈلے ہیں صاحبِ اُم الکتاب کے

کٹتے رہے ہیں ہاتھ بدلتے رہے ہیں دور
دم بھر رکے نہ جام ولا کے شراب کے

کیا کم ہے درد و غم شبِ عاشور کا ہمیں
ہم اور لطف اٹھائیں شبِ ماہتاب کے

اب لائیں گے نہ بحث میں ہم کربلا کی جنگ
کب تک چلیں گے دور سوال و جواب کے

سلام

کیا سخت واردات تھی خنجر گلے پہ تھا
ہونٹوں پہ حق کی بات تھی خنجر گلے پہ تھا
پھیلا رہا تھا نورِ صداقت جہان میں
تنظیم شش جہات تھی خنجر گلے پہ تھا
دولھا بھی ایک لمحہ کا مہماں تھا شام تک
سوئی ہوئی برات تھی خنجر گلے پہ تھا
اک آن میں فضائے دوعالم بدل گئی
اک سانس کی حیات تھی خنجر گلے پہ تھا
اندھیر ہورہا تھا جہان خراب میں
کیا جانے دن تھا رات تھی خنجر گلے پہ تھا
سجدہ میں سر لبوں پہ دعائیں نظر میں شکر
دل میں خدا کی ذات تھی خنجر گلے پہ تھا
اصغر کا داغ رخصتِ آخر نمازِ عصر
تکمیلِ واقعات تھی خنجر گلے پہ تھا
روحِ حسینؑ بارگاہ بے نیاز میں
ممنونِ التفات تھی خنجر گلے پہ تھا
یوں کوئی نہر پر نہ ہوا ذبح تشنہ لب
دوگام پر فرات تھی خنجر گلے پہ تھا
دیکھا ہو بھائی کو جو تڑپتے تو کیا عجب
زینبؑ پسِ قنات تھی خنجر گلے پہ تھا
کس وقت ورثہ دارِ نبیؐ کو کیا شہید
جب ساعتِ صلوٰۃ تھی خنجر گلے پہ تھا
سویا علی کا لال دوعالم کو جیت کر
مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا
کیا جان دے کے تجسم گیا جانِ مرتضےٰ
جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

سلام

لوٹا ہوں کربلا سے اب حال ہے یہ جی کا
جیسے کسی کے در پہ دل رہ گیا کسی کا

دشواریوں میں بھی ہے یہ فرض زندگی کا
مقصد بلند رکھنا آوازِ یا علیؑ کا

مدحِ لسانِ حق میں عالم ہے بے خودی کا
مارا ہوا ہوں میں خود ان ہی سخنوری کا

اے کربلا کے خالق عزم و عمل نے تیرے
کتنا بڑھا دیا ہے معیار آدمی کا

مے خوار اس کا ہوں میں کوثر کا ہے جو ساقی
دشمن ہے کون میرے ایمان و آگہی کا

تھا راہِ راست پر حُر عاشور کی سحر کو
کیا بر محل ہوا ہے احساس کجروی کا

کیوں موت زندگی میں یادِ علیؑ نہ آئے
کیا موت زندگی پر کچھ زور ہے کسی کا

نوکِ سناں پہ آکر سبطِ نبیؐ کے سر نے
اعلان خود کیا ہے ملت کی زندگی کا

زہراؑ کا روزِ محنت، فضہ کا یومِ راحت
دنیا جواب لائے اس بندہ پروری کا

درسِ عمل ہے مجلس مظلومِ کربلا کی
لیکن علاج کیا ہے ذہنوں کی مفلسی کا

توحید کی حمایت اے بے نیازِ عترت
اچھا مظاہرہ ہے اسلام دشمنی کا

کوئی نہیں بتاتا آلِ نبیؐ کی منزل
معیار پوچھتا ہوں اک اک سے بندگی کا

قرآں حدیث دونوں ہیں ایک ہی زباں کے
کیا راز کوئی سمجھے اب ربطِ معنوی کا

سبطِ نبیؐ کے در پر مولا علیؑ کے در پر
ڈنکا بجا ہوا ہے میری گدا گری کا

اے نجم منقبت ہو اس وقت بھی زباں پر
جب نزع کی ہو ساعت عالم رواروی کا

سلام

ہاتھ رُکتے ہی نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے
استفادہ کررہا ہوں موت کی تاخیر سے

واسطہ کیا ہے مجھے دنیا کی داروگیر سے
ہاتھ خالی ہی کہاں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے

آشنائے درد پوچھیں ماتمِ شبیرؑ سے
انقلاب آئے ہیں کتنے دستِ بےشمشیر سے

پوچھتے ہو اب غمِ شبیرؑ کی تاثیر کو
اب یہ آگے بڑھ چکا ہے منزلِ تاثیر سے

جب زباں پر یاعلیؑ آتا ہے فرطِ شوق میں
اک سہارا چاہتا ہوں نعرۂ تکبیر سے

کون سمجھے صاحبِ نہج البلاغت کا مقام
مل گئی تحریر جب قرآن کی تحریر سے

اک نہ اک جا خلق میں مجلس کہیں ہوگی ضرور
کوئی پل خالی نہیں ہے ماتمِ شبیرؑ سے

حریت کی منزلوں میں سیدِ سجادؑ نے
اک نیا جادہ بنایا پائے درِ زنجیر سے

میں نے باب العلم کی چوکھٹ کا بوسہ لے لیا
لوگ ادھر اُلجھے رہے قرآن کی تفسیر سے

سلسلہ جاری رہا صدیوں غمِ شبیرؑ کا
کتنے دل زخمی ہوئے ہیں حرملہ کے تیر سے

یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی
آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے

ان سے کہہ دو جو خلافِ ماتمِ شبیرؑ ہیں
گردنیں اپنی بچائیں دستِ خیبر گیر سے

نامِ حرؑ لیتے ہی بزمِ مدح میں آنے لگی
عفو کے پھولوں کی خوشبو دامنِ تقصیر سے

تم نے قرآں دربغل رکھ کر اندھیرا کردیا
روشنی کی ہم نے اہلِ بیتؑ کی تفسیر سے

اپنے خوں سے نقشِ الا اللہ لکھتے کیوں حسینؑ
کام چل سکتا اگر کچھ کاغذی تحریر سے

کربلا کی راہ میں حائل ہیں کتنی مشکلیں
نجم پہنچے لڑتے بھڑتے گردشِ تقدیر سے

سلام

دیکھنے والے شبِ ہجرت کا عنواں دیکھتے
بسترِ راحت پہ یہ معراجِ انساں دیکھتے

نورِ واحد ہم بہر صورت نمایاں دیکھتے
پنجتن پنجاہ تن ہوتے تو یکساں دیکھتے

باز آجاتی اگر اُمت غمِ شبیرؑ سے
نامسلماں کرتے ماتم اور مسلماں دیکھتے

میں زباں پر کھول کر لایا نہ رازِ معرفت
یہ نصیری میرا صبر و ضبطِ پنہاں دیکھتے

دوشِ احمدؐ پر وہی ہم کو نظر آتے اگر
بات اچنبھے کی ہو کیا قرآں پہ قرآں دیکھتے

ہم نے مانا نازشِ تخلیق ہیں انساں مگر
اسوۂ شبیرؑ میں تعمیرِ انساں دیکھتے

روتی ہیں کس کس کی آنکھیں ماتمِ شبیرؑ میں
اشکِ غم کیا مسلکِ ہندو مسلماں دیکھتے

اپنا غصہ روک لیتے گر نہ عباسؑ جری
اہلِ ساحل زندگی بھر خوابِ طوفاں دیکھتے

کیا ثباتِ پائے عابدؑ صبر کی منزل میں تھا
راہرو پامالیِ خارِ مغیلاں دیکھتے

اللہ اللہ کہنے والے قربِ حق کی شان میں
یا علیؑ کہتے تو یہ مشکل بھی آساں دیکھتے

مصلحت مانع تھی ورنہ یہ زمین و آسماں
دستِ اصغرؑ اور قاتل کا گریباں دیکھتے

کربلا سے آکے میں اے نجمؔ اس حسرت میں ہوں
میری جانب اک نظر شاہِ خراساںؑ دیکھتے

سلام

دل میں غمِ حسینؑ کا روحِ رواں رہے
انساں ضعیف بھی ہو تو نسبت جواں رہے

اب اس مزاجِ درد کے انساں کہاں رہے
جن کی نگاہ میں ورقِ دو جہاں رہے

دل میں اگر محبتِ آلِ رسولؐ ہو
محنت صلوٰۃ و صوم کی کیوں رائگاں رہے

کہتا ہے کاروانِ حسینؑ کا نظم و ضبط
ہر کاروانِ درد پسِ کارواں رہے

کہہ دو جب آئے جرأتِ عباسؑ کا سوال
دریا پہ ہاتھ ڈال کے تشنہ دہاں رہے

میرے لیے وہ حلّتِ جنت سے ہے حسیں
دامن غمِ حسینؑ میں گر دھجیاں رہے

لے آئے کوئی مجلسِ شبیرؑ میں اسے
جو بد نصیب درد سے دامن کشاں رہے

جب تک بروئے کار نہ آیا غمِ حسینؑ
سارے اصول عزم و عمل نیم جاں رہے

عترت بغیر ہوگا نہ ملت میں اتحاد
قرآن تا بہ حشر اگر درمیاں رہے

بوسہ درِ حسینؑ کا سجدہ سے کم نہیں
شکرِ خدا کروں جو کوئی بد گماں رہے

شاعر ہوں جن کا مجسم وہ ہیں وجہ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشاں رہے

O

سلام

ثابت یہ ہوا ذاتِ شہِؑ عقدہ کشا سے
ملتا ہے بشر سیرت و صورت میں خدا سے

شبیرؑ نے دیکھا انہیں میداں کی فضا سے
عباسؑ تھے آگے حدِ امکانِ وفا سے

کم ہیں وہ جنہیں ربط ہے مفہومِ ولا سے
ملتے ہیں بہت کوثر و تسنیم کے پیاسے

عاشور کے دن ظہر کو دنیا ہوئی واقف
مومن کی نماز اور مجاہد کی دعا سے

یہ پیاس یہ زینبؑ کے دُلاروں کی لڑائی
کیا دشمنوں کے منہ بھی نکل آئے ذرا سے

آغازِ صلوٰۃ اور ہے انجامِ صلوٰۃ اور
اے شیخِ حرم باز نہ رہ مدحِ علیؑ سے

نازل جو ہوئی آیۂ فرمانِ مودّت
ربط اور بڑھا میری محبت کا خدا سے

وہ رُوح عبادات ہے تو اے غمِ شبیرؑ
اخلاق سنورتے ہیں تری نشو و نما سے

شبیرؑ کا غم تازگیِ فکر و نظر ہے
ملتا ہے یہاں درسِ عمل اشکِ عزا سے

توحید کی بنیاد ہیں سرکارِ رسالتؐ
نسبت یہی شبیرؑ کو ہے دستِ خدا سے
مجرم ہیں یہ رو کے ہوئے ہیں اجرِ رسالت
وحشت جنہیں ہو جاتی ہے ماتم کی صدا سے
اسرارِ حقیقت مرے افکار ہیں اے تجمّ
تفسیر مرے شعر کی پوچھو عرفا سے

○

سلام

کسی کے بس کی ثنائے ابوترابؑ نہیں
یہاں جلالتِ عزم و عمل کی تاب نہیں
نبیؐ کے نور کو نہ دو آفتاب سے مثال
وہ آفتاب کا خالق ہے آفتاب نہیں
عراق تجھ پہ ہزار انقلاب آئیں مگر
تاثراتِ زیارت کو انقلاب نہیں
شباب احمد مرسلؐ یہ لائے ہیں واپس
جمالِ اکبرِ ذی جاہ کا جواب نہیں
یہی ہے نکتۂ حائل احد اور احمد میں
حجابِ میم کے آگے کوئی حجاب نہیں
غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پر اثر انداز
خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں
یہاں تحفظِ انسانیت کا ہے یہ سوال
زبانِ سبطِ نبیؐ پر سوالِ آب نہیں
وہ عصر تنگ کی منزل وہ عظمتِ شبیرؑ
یہ وہ فضا ہے جہاں کوئی ہم رکاب نہیں
کیا حسینؑ کو قدرت نے سید الشہداء
کسی گروہِ بشر کا یہ انتخاب نہیں
حسینؑ سے جو عقیدت ہے اہلِ ہند کو تجمّ
فضائے دہر میں اس کا کہیں جواب نہیں

○

سلام

جلوے خدا کے دین میں حُسن دوام کے
ممنون ہیں حسین علیہ السلام کے

ملت نثار وارثِ خیرالانام کے
رستے کھلے ہیں حق سے پیام و سلام کے

بیٹھے نصیریوں میں بھی ہم صوفیوں میں بھی
ذکرِ علیؑ کہیں بھی ہو عاشق ہیں نام کے

کچھ سہل ہے حسینؑ کے غم کی مخالفت
انسان اور حریف الٰہی نظام کے

خیرالعمل ہے آنکھوں کا اشکِ غمِ حسینؑ
دل سو رہے ہیں ملتِ خیرالانام کے

پڑھئے سلام بزم میں انسان کم سہی
ممکن جو منتظر ہوں فرشتے سلام کے

خالی کبھی نہ جائے گا فیضانِ کربلا
ہر دور میں ہوئے ہیں کچھ انسان کام کے

آتی ہے اور مدح سرائی میں کیفیت
جتنے حریف بڑھتے ہیں اس دورِ جام کے

وہ وقتِ عصر آخری رخصت حسینؑ کی
پردے کبھی گرے کبھی اُٹھے خیام کے

لاشیں وہ کربلا میں شہیدوں کی خاک پر
کیا نور بھر رہی تھیں دھندلکے میں شام کے

جی چاہتا ہے جان ان اشکوں پہ ہو نثار
آنکھوں میں اشک آئے ہیں اصغرؑ کے نام کے

میں ہوں کلیمِ طور ثنائے علیؑ کا نجم
انداز ہیں کلام میں نقشِ دوام کے

سلام

محبت میں علیؑ کی دل سراپا نور ہوجائے
ذرا ہمت کرے اور شعلۂ بے طور ہوجائے

عجب کیا کربلا دردِ دلِ جمہور ہوجائے
یہ غم ہر مملکت میں شاملِ دستور ہوجائے

اگر مردہ دلوں میں ہو غمِ شبیرؑ کی منزل
جبینوں پر نمایاں زندگی کا نور ہوجائے

بشر جس کو غرورِ عشق سے تسکین حاصل ہو
وہ سر رکھ کر نجف کی خاک پر مغرور ہو جائے

بہت آساں ہیں دل ہل جائیں زیرِ تیغ سجدے پر
بہت مشکل ہے سجدے کا یہی دستور ہو جائے

اندھیرے سے دماغ و دل خراجِ روشنی لے لیں
اگر ملت کو عرفانِ شبِ عاشور ہو جائے

کسے دنیا میں اندازہ ہو اس ذہنی شجاعت کا
حسینؑ ایسا جری پھر صبر پر مامور ہو جائے

لگا رکھی ہے لو شمعِ شبستانِ رسالت سے
نجانے کب چراغِ زندگی بے نور ہو جائے

رُخِ سبطؑ نبیؐ پر تھی جو درد انگیز شادابی
کہاں ممکن ہے جب زخموں سے انساں چور ہو جائے

تہِ شمشیر بھی شبیرؑ مختارِ دو عالم تھے
شہادت کیا جو مرنے پر بشر مجبور ہو جائے

کوئی لکھ لے مجھے اے نجم قنبر کے غلاموں میں
گذارش ہے اگر تقدیر سے منظور ہو جائے

○

سلام

یہ بتا دینا زمانے کو ہمارا کام ہے
اہلِ بیتِ مصطفیٰؐ کی زندگی اسلام ہے

دور ہیں حبِّ عمل سے جب تک اربابِ عزا
دیکھنے کے ہیں یہ آنسو غم برائے نام ہے

بیٹھ کر مجلس میں روئے اُٹھ کے ماتم بھی کیا
اسوۂ انصار کی تقلید سے کیا کام ہے

جب نشانہ ہوگیا بے شبیر تیرِ ظلم کا
زندگی کیا، موت بھی اس دن سے بے آرام ہے

جو تولاّئی ہیں مخلص ان کو دیکھو اک نظر
ہر ادا میں ہر سخن میں دعوتِ اسلام ہے

اس طرف بھی اک نظر اے بادۂ خمِ غدیر
یا علیؑ کندہ ہے جس پر یہ ہمارا جام ہے

پوچھنا ہے مدحتِ شبیرؑ کا گوشہ کوئی
مجھ کو جبریلؑ امیں سے اک ذرا سا کام ہے

ان کا کیا کہنا جو ہیں تقلیدِ اہلِ بیت میں
زندگی اسلام، لطفِ زندگی اسلام ہے

فکرِ شاعر کی خطا ہے فن پہ کیا الزام ہے
شاعری اس دور میں لفظوں کا قتلِ عام ہے

دل جگر زخمی کرو دانش ورانِ قوم کے
کیا پیمبرؑ کے جگر گوشوں کا یہ پیغام ہے

دشمنوں کی بھی بچالیتے تھے جانیں اہل بیتؑ
اور یہاں الفاظ سے آپس میں قتلِ عام ہے

یہ کبھی سوچا ہے تم نے ان سے کہلاتے ہیں ہم
ہر عمل جن کا دلیلِ عزتِ اسلام ہے

مدح کی منزل میں جھگڑے قافلے والوں کے ساتھ
اے تولائی مسافر یہ نیا اقدام ہے

نجم کیا معلوم کس کا شعر انہیں آئے پسند
مدحِ اہل بیتؑ پر نازش خیالِ خام ہے

○

سلام

اگر وہ خود نہ دلوں کے نگاہباں ہوتے
علیؑ کے حق میں بشر حمد بر زباں ہوتے

حقوقِ آلِؑ نبیؐ ہر طرح عیاں ہوتے
زباں نہ کھولتے انساں تو دل زباں ہوتے

غمِ حسینؑ کے جذبے اگر عیاں ہوتے
عزا کی شمع سے اُٹھتا ہوا دُھواں ہوتے

وہ غم علیؑ کی محبت میں جاں فزا نکلے
جو دوسروں کی محبت میں جاں ستاں ہوتے

اگر حسینؑ نہ تخلیقِ کربلا کرتے
یہ حوصلے یہ عزائم بھی پھر کہاں ہوتے

بڑی علیؑ کی ضرورت تھی شانِ وحدت کو
بغیر ان کے منظم نہ دو جہاں ہوتے

کہاں یہ شعر ہے اصغرؑ کی نذر کے قابل
گلوئے مدح کے اے کاش ہنسلیاں ہوتے

ازل سے مدحِ علیؑ ہے ابد ہے دور ابھی
زمانہ چاہیے تکمیل داستاں ہوتے

○

سلام

کیا شریعت کیا طریقت صدرِ محفل ہے حسینؑ
مرکزِ انسانیت صورت گر دل ہے حسینؑ

تیرا نفسِ مطمئن قرآن کا دل ہے حسینؑ
مقصدِ خلقت ترے سجدے کا حاصل ہے حسینؑ

فاتح خیبر علیؑ، یہ فاتح کرب و بلا
اپنے بابا کی طرح حلالِ مشکل ہے حسینؑ

تو ہی تو ہے عارفِ کامل بنائے لا الہٰ
تو ہی الا اللہ کی تفسیرِ کامل ہے حسینؑ

کیا عجب ہے تیرا سجدہ زیرِ خنجر دیکھ کر
کوئی کہہ اٹھتا کہ تو سجدے کے قابل ہے حسینؑ

میں سمجھتا ہوں نمودِ کن کا پس منظر یہی
محفلِ کون و مکاں میں شمعِ محفل ہے حسینؑ

جس گلے پر ثبت ہوں بوسے رسول اللہؐ کے
وہ گلا کیا شمر کے خنجر کے قابل ہے حسینؑ

پار تو نے کس طرح بیڑا کیا اسلام کا
اب کسے اندازۂ طوفان و ساحل ہے حسینؑ

مجھ سے تو اور میں ہوں تجھ سے، قول پیغمبرؐ کا ہے
یہ شرف تنہا تری ہستی کو حاصل ہے حسینؑ

جس کا گریہ تیرے غم میں خودکشی سے کم نہیں
جو مخالف ہے ترا وہ اپنا قاتل ہے حسینؑ

کربلا اک نام ہے کرب و بلا دو لفظ ہیں
بس خدا کو ہے خبر کیا تیری منزل ہے حسینؑ

سب سے کم رتبہ سہی لیکن یہ رتبہ کم نہیں
نجم بھی تیرے ثنا خوانوں میں شامل ہے حسینؑ

○

سلام

جب اہلِ تولاّ نے تولاّ میں کمی کی
آئی لبِ فطرت پہ صدا نادِ علیؑ کی

اسلام کی تھی موت جو شبیرؑ نہ ہوتے
عشرہ کا وہ دن تھا کہ ضرورت تھی سبھی کی

کیا کام کیا نیزہ پہ شبیرؑ کے سر نے
سنتے نہ یہ انسان خطا کار کسی کی

تفسیر کو ہوتی نہ اگر آلؑ نبیؐ کی
کہتے یہی اغیار کہ قرآں نے کمی کی

عزت کے مقابل میں ہر اقدام تھا ناکام
کرنے کو دنیا نے بہت عشوہ گری کی

ہم شکلِ پیمبرؐ کے خدوخال نہ آئے
شاعر نے بہت نظم میں تصویر کشی کی

اے دوست محبت کے شرائط بھی ہیں معلوم
یا صرف زبانی ہی محبت ہے علیؑ کی

یہ نفس کشی اصل میں انسان کشی ہے
بے حُبِّ علیؑ تو نے اگر نفس کشی کی

عشرہ کو مکمل ہوئی اسلام کی تصویر
شبیرؑ کے ایثار نے پوری یہ کمی کی

لکھا گیا نامِ علی اصغرؑ سرِ فہرست
تاریخ مرتب ہوئی جب تشنہ لبی کی

شبیرؑ کو پانی کی طلب میں تھا تامل
غداروں نے شبیرؑ سے بیعت طلبی کی

ممدوح ہی واقف مری نیت سے ہیں اے نجم
دنیا میں ہے شہرت مری آشفتہ سری کی

○

سلام

لاکھ ظلم روزگار دیکھتا چلا گیا
صاحب حد اختیار دیکھتا چلا گیا

گھر کا گھر بگڑ گیا قوم کے بناؤ میں
لٹ گئی بھری بہار دیکھتا چلا گیا

دیکھتے ہی دیکھتے سب چمن اُجڑ گیا
فاطمہؑ کا گلعذار دیکھتا چلا گیا

اس کے اختیار میں موت بھی تھی زیست بھی
موت کو بروئے کار دیکھتا چلا گیا

اس کے عزمِ خیر میں کچھ کمی نہ آسکی
وہ حرم کا حالِ زار دیکھتا چلا گیا

بے خودی کی صورتیں وہ اداس مورتیں
جان دو جہاں نثار دیکھتا چلا گیا

اپنے خوں میں لوٹ کر اپنی شانِ دلبری
مرتضیٰؑ کا یادگار دیکھتا چلا گیا

سینہ پر لگی سناں ہائے اکبرؑ جواں　　خون ہوگئی بہار دیکھتا چلا گیا
تیر سے بجھائی جب حرملہ نے تشنگی　　منہ پدر کا شیر خوار دیکھتا چلا گیا
موت میں حیات میں فیضِ کائنات میں　　اضطراب روزگار دیکھتا چلا گیا
چاہتا اگر حسین مٹ گئے تھے مشرقین　　دین حق کا تاجدار دیکھتا چلا گیا
آئیں جب امامِ عصر ان سے یہ کہے کوئی
تجمّ زار انتظار دیکھتا چلا گیا

○

سلام

ملکِ عرب کا تپتا جنگل　　دھوپ سے ذرہ ذرہ بیکل
قہر کی گرمی وقت ستم کا　　خشک ہے پانی دیدۂ نم کا
شعلہ بکف ہیں لو کے تھپیڑے　　ڈوب رہے ہیں خشکی میں بیڑے
رو بہ رضا ہیں چند مسافر　　راہِ طلب میں صابر و شاکر
مصحفِ حق کے بکھرے پارے　　فرشِ زمیں پر چاند ستارے
گورے چہرے زلفیں کالی　　پیوست ابرو آنکھ غزالی
تن میں اُجلے اُجلے جامے　　سب کے سروں پر سبز عمامے
لانبے نیزے تیغیں دو دھاری　　گھوڑے جیسے بادِ بہاری
مکّے والے مدینے والے　　اپنے نبیؐ کے رشتہ والے

ساری خدا کی شان کی باتیں آپس میں قرآن کی باتیں
فخرِ عجم کے فخرِ عرب کے شاہِ شہیداں آگے سب کے
ایک کے پیچھے ایک عماری ناقوں کے اوپر بیبیاں ساری
گود میں ننھے ننھے بچے جیسے گلوں میں موتی سچے
چھوٹا سا اک شامی لشکر حُرِ ریاحی جس کا افسر
ان کا رستہ روکنے آیا شیر دلوں کو ٹوکنے آیا
آیا لیکن پیاس کا مارا مرنے کے وسواس کا مارا
سب کے لبوں پر پیاس سے جانیں منہ سے باہر خشک زبانیں
ایسا پتلا حال جو دیکھا دشمن کو پامال جو دیکھا
جوش میں آئے کوثر والے ابرِ کرم کے برسے جھالے
ایک خیال و خواب تھا پانی کوسوں تک نایاب تھا پانی
بچوں کا دھیان نہ آیا خوب پلایا خوب لٹایا
مشک ہر اک منہ کھول رہی تھی تشنہ لبوں سے بول رہی تھی
عام کرم کی شان دکھائی گھوڑوں کی بھی پیاس بجھائی

ایک نہ رکھا قطرہ باقی
واہ ری ہمت واہ رے ساقی

○

کرب و بلا

بہم ہیں آج زمیں آسمان کرب و بلا
ہماری فکرِ سخن اور بیانِ کرب و بلا

قدم زمیں پہ نہ رکھے وہ خوش نصیب بھی تھے
کٹا کے پاؤں گئے رہروانِ کرب و بلا

زبانیں قطع ہوئیں کٹ گئے گلے کتنے
مگر نہ ختم ہوئی داستانِ کرب و بلا

اجل کا غم ہمیں کیوں ہو رہے گی محشر تک
ہماری خاک پسِ کاروانِ کرب و بلا

لحد میں آکے نکیرین منہ نہ کھول سکے
مری زبان پہ تھی داستانِ کرب و بلا

علیؑ ہیں نام میں اکبرؑ نبیؐ ہیں صورت میں
کہوں نہ کیوں انھیں روحِ روانِ کرب و بلا

بجز حسینؑ کسی نے ازل کی دعوت میں
کیا نہ حوصلۂ امتحانِ کرب و بلا

مجھے تو موت بھی مجلس میں آئے گی اے نجم
میں جان دے کے رہوں گا بجان کرب و بلا

○

سلام

اک اُداسی کے سوا خیموں میں اب کیا رہ گیا
فاطمہؑ کا لال سر دینے کو تنہا رہ گیا

اک سکونِ مرگ ہے اور عصر کا ہنگام ہے
جی اٹھے گی ایک سجدہ سے یہ ایسی شام ہے

زیرِ خنجر مرکزِ ایماں کا سر خم ہوگیا
ایک سجدہ کار فرمائے دو عالم ہوگیا

غرق خوں میں لاڈلے مسلمؑ کے اور زینبؑ کے لال
لاشۂ قاسمؑ ہے گھوڑوں کے سموں سے پائمال

ہم شبیہِ مصطفیٰؐ سینے پر برچھی کھا چکا
حلقِ اصغرؑ کا لہو اسلام کے کام آچکا

خونِ دل اسلام کی آنکھوں سے بہنے ہی کو ہے
عرشِ خالق کی فضا لبیک کہنے ہی کو ہے

برچھیوں میں اہتمامِ سجدۂ شبیرؑ ہے
اللہ اللہ کیا مقامِ سجدۂ شبیرؑ ہے

گرم ریتی حشر سامانی کا سجدہ مرحبا
یہ لہو میں غرق پیشانی کا سجدہ مرحبا

داستانِ عشق ہوگی اب زبانِ حُسن پر
مہر کرتی ہے جبیں سے آستانِ حُسن پر

حشر یہ ہونے کو ہے خیمہ کے در کے سامنے
کیا قیامت ہے کہ زینبؑ ہے نظر کے سامنے

لے چکا انگڑائیاں ساحل پہ عباسؑ جری
کیا کٹے ہاتھوں سے کی اسلام کی بھی رہبری

مرضیِ خالق کا دامن بھرنے والے کو سلام
سینکڑوں تیروں میں سجدہ کرنے والے کو سلام

○



مرزا تجمل حسین نجم آفندی

ولادت 1893 وفات 1975